جلد: 7
صفر ۱۴۳۳ھ

ماہنامہ ماہِ نور دہلی

شمارہ: 8
جنوری ۲۰۱۲ء

سرپرست

حضرت مولانا مفتی سید شمس الضحیٰ مدظلہ
سجادہ نشین دھاوا شریف غازی پور یوپی

نوٹ: رسالے کے مستقل قارئین اس جانب ضرور توجہ دیں کہ اگر ان کی ممبری فیس ختم ہوگئی ہو تو ادارہ کو جلد از جلد بذریعہ منی آرڈر روانہ کردیں تا کہ ان کی ممبری بحال رہے۔

مراسلت و ترسیل زر کا پتہ

MAAH-E-NOOR Monthly
419, Urdu Bazar, Matia Mahal,
Jama Masjid, Delhi - 110006

ماہنامہ ماہِ نور
419، اُردو بازار، جامع مسجد، دہلی-110006

E-mail:mahenoormonthly@gmail.com, Website : www.abulghaus.com

Printer, Publisher & Owner
SYED ABUL HASAN

Published at:
2229, Star Offset Printing Press
Ahata Hajjan Bi, Rodgran, Delhi-6

Published from:
419, Urdu Bazar, Matia Mahal,
Jama Masjid, Delhi - 110006

قیمت فی شمارہ	:	12روپے
قیمت سالانہ	:	150روپے
بیرونِ ممالک	:	20ڈالر
لائف ٹائم ممبر شپ	:	5000روپے
// // بیرون ممالک	:	300ڈالر

فہرست مضامین

خصوصی موضوع
شیخ محقق اور مجدد الف ثانی

جاوید قمر

فرقہ وارانہ فسادات مخالف بل ناگزیر

اس افسوناک سچائی سے بہر حال انکار نہیں کیا جاسکتا کہ اب ذات پات اور منافرت کی سیاست ہندوستان کی سیاسی تاریخ کا ایک لازمی حصہ بن گئی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ الیکشن قریب آتے ہی سیاسی پارٹیاں اقتدار کے حصول کے لیے ایک طرف اگر ذات پات اور برادری واد کا کارڈ کھیلنے لگتی ہیں تو دوسری طرف ایک مخصوص ذہن کی حامل پارٹیاں، معاشرہ میں فرقہ وارانہ منافرت کو ہوا دینے لگتی ہیں۔ درحقیقت یہ پارٹیاں ہندوستانی معاشرہ کو مذہب کی بنیاد پر دو خیموں میں تقسیم اور اکثریتی فرقہ کے مذہبی جذبات کو مشتعل کر کے انھیں اپنا ہمنوا بنانے کے درپے ہو جاتی ہیں تاکہ الیکشن میں کامیابی حاصل کر کے اقتدار پر قابض ہو سکیں۔

یاد کیجیے 80 کی دہائی میں بابری مسجد تنازعہ کو اگرچہ یہ ایک خالص مذہبی تنازعہ تھا اور اس کے لیے عدالت میں قانونی جنگ بھی لڑی جارہی تھی مگر فرقہ پرست پارٹیوں نے اسے ایک سیاسی جنگ بنا دیا۔ لال کرشن اڈوانی کی اس بھیانک رتھ یاترا کو بھلا کون فراموش کر سکتا ہے جو انھوں نے سومناتھ سے اجودھیا کے لیے شروع کی تھی۔ یہ یاترا جہاں جہاں سے گزری تھی، انسانی خون کی ندیاں بہاتے ہوئے گزرتی تھی۔ منافرت کی بنیاد پر بی جے پی جیسی پارٹی کو عروج حاصل ہوا۔ اس سے قبل اسے کوئی بڑی سیاسی کامیابی حاصل نہیں ہوئی تھی لیکن جب جنتا پارٹی قائم ہوئی اور الیکشن ہوئے تو اچانک اس کی کامیابی کا گراف دو سے 80 سیٹوں تک جا پہنچا اور پھر کچھ ہی سالوں کے بعد اس نے اقتدار پر قبضہ کر لیا۔ اس کامیابی کے بعد، بی جے پی اور اس کی ہمنوا جماعتوں نے یہ سمجھ لیا ہے کہ وہ مہنگائی ہے، بے روزگاری بدعنوانی اور دیگر قومی ایشوز کے سہارے کامیابی حاصل نہیں کر سکتیں بلکہ منافرت، فسادات اور انسانی لاشوں کے ڈھیر پر ہی، اپنی سیاسی کامیابیوں کا محل تعمیر کر سکتی ہیں اور اس کے توسط سے ہی انھیں اقتدار مل سکتا ہے۔

اب جبکہ آئندہ برس اتر پردیش، سمیت دیگر چار ریاستوں اتراکھنڈ، پنجاب، منی پور اور گوا میں الیکشن ہونے ہیں، خاص طور پر اتر پردیش اور اس سے متصل ریاستوں میں نہ صرف فرقہ وارانہ کشیدگی کو بڑھانے کی منظم سازشیں ہو رہی ہیں بلکہ کچھ ایسے عناصر بھی سرگرم ہیں جو کسی معمولی واقعہ کو بھی فسادات میں تبدیل کرنے کا ہنر جانتے ہیں۔ حال ہی میں بجنور میں فساد ہوتے ہوتے بچا۔ پولیس نے بروقت کارروائی کر کے ''چھتریہ مہا سبھا'' کے ناپاک منصوبوں پر پانی پھیر دیا ورنہ انھوں نے تو فساد برپا کرنے کا مکمل سامان کر لیا تھا۔ یہ افسوسناک واقعہ قصبہ نور پور کا ہے جہاں ''چھتریہ مہا سبھا'' کا ایک سمیلن ہو رہا تھا، اسی دوران قصبہ سے ایک مسلمان کی بارات گزری۔ چھتریہ مہا سبھا کے لوگوں کا اعتراض تھا کہ ایک ایسے وقت میں کہ جب ان کا سمیلن ہو رہا تھا، مسلمانوں نے بارات کیوں نکالی؟ اگر اس واقعہ کا تجزیہ کریں تو صاف پتہ چلتا ہے کہ یہ کسی فوری ردعمل کا نتیجہ نہیں تھا بلکہ یہ سب کچھ ایک منصوبہ بند سازش کا حصہ معلوم ہوتا ہے۔ اس سے قبل راجستھان کے گوپال گڑھ اور اس کے فوراً بعد اتراکھنڈ میں جو کچھ ہوا، اس سے قارئین بخوبی واقف ہیں ان دونوں واقعات میں شرپسندوں کے ساتھ مل کر مقامی پولیس نے مسلمانوں پر ظلم و جارحیت کے پہاڑ توڑے۔ گوپال گڑھ میں جو کچھ ہوا تھا ٹھیک ویسی ہی کہانی اتراکھنڈ میں بھی دہرائی گئی۔ مرادآباد جیسے حساس شہر میں بھی یہی کچھ دہرانے کی کوشش ہوئی۔ بعد ازاں پرتاپ گڑھ کو فساد کی آگ میں جھونکنے کی ناکام کوشش کی گئی۔

درحقیقت فسادات کروا کر، انتخابی فائدہ حاصل کرنا بھگوا جماعتوں کا ایک آزمودہ نسخہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب بھی الیکشن قریب آتے ہیں بھگوا پارٹیاں ماحول کو بگاڑنے کے لیے نفرت کا زہر گھولنے لگتی ہیں۔ کچھ عرصہ قبل آسٹریلیا کی یونیورسٹی آف ایڈیلیڈ کے پروفیسر پیٹر بی میئر نے سنگاپور میں انسٹی ٹیوٹ آف ساؤتھ ایشین اسٹڈیز کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے، ہندوستان میں ہونے والے فسادات اور انتخابی مفادات کا تجزیاتی جائزہ پیش کرتے ہوئے واضح طور پر کہا تھا کہ ان دونوں میں مضبوط رشتے ہیں۔ نیشنل کرائم ریکارڈز بیورو کے اعداد و شمار کے حوالہ سے انھوں نے 1989ء

اور 2006ء کے درمیان ہونے والے انتخابات کا دلچسپ جائزہ پیش کیا اور کہا کہ فسادات عام طور پر الیکشن سے 18 مہینے قبل اور 24 مہینے بعد کے درمیان ہوتے ہیں۔1989ء میں ہوئے ریاستوں کے الیکشن اور 1990ء میں ہوئے 9 ریاستوں کے الیکشن اور اس دوران ہونے والے فسادات کا جائزہ لیتے ہوئے پروفیسر میئر نے کہا کہ ان میں سے 8 فیصد فسادات الیکشن ہونے سے ایک سال قبل والے سال میں جبکہ 12 فیصد، الیکشن ہونے والے سال میں ہوئے۔ پروفیسر میئر نے یہ بھی کہا کہ 1990ء کی دہائی ہندوستان میں فرقہ وارانہ فسادات کے نقطہ نظر سے بے حد خطرناک رہی اور اس کی ایک بڑی وجہ بابری مسجد تنازعہ تھا۔ پروفیسر موصوف کا یہ بھی کہنا ہے کہ الیکشن سے قبل منافرت کا ماحول پیدا کر کے اور فسادات کروا کر ووٹروں کو مذہبی بنیاد پر گول بند کیا جاتا ہے۔تمل ناڈو، کرناٹک، ہریانہ اور مغربی بنگال جیسی ریاستوں کا ذکر کرتے ہوئے انھوں نے کہا کہ چند سال قبل تک ان ریاستوں میں فرقہ وارانہ فسادات غیر معمولی تصور کیے جاتے تھے مگر اب گذشتہ چند برسوں کے دوران مذہبی فسادات نے اسے بھی اپنی گرفت میں لے لیا ہے۔

پروفیسر میئر کے علاوہ کچھ اور دانشور ہیں جنھوں نے ہندوستان میں ہونے والے فرقہ وارانہ فسادات اور الیکشن کا تجزیہ کیا ہے۔ان میں اسٹیوین و منلسن کا نام بہت اہم ہے۔انھوں نے اپنی کتاب Vote and Violence Electrol Competion and Ethnic Riots in India میں لکھا ہے کہ سیاسی پارٹیاں اس طرح کے فسادات کا الیکشن میں فائدہ اٹھانے کی بھر پور کوشش کرتی ہیں۔ایک اہم تجزیہ انھوں نے یہ کیا ہے کہ ریاستی حکومتوں کا فسادات کنٹرول کرنے کے جذبہ اور طریقۂ کار کا انحصار اسی بات پر ہوتا ہے کہ ان فسادات سے اسے الیکشن میں کتنا فائدہ یا نقصان ہو سکتا ہے۔

وزارتِ داخلہ نے پچھلے دنوں فسادات کے تعلق سے جو رپورٹ جاری کی ہے ان کے مطابق گذشتہ تین برسوں میں فسادات کے 1855 معاملے سامنے آئے جن میں 733 واقعات 2009ء میں جبکہ 2010ء میں 651، اور 11 / اکتوبر 2011ء تک رواں سال میں 413 واقعات ہوئے۔اگر چہ ان فسادات میں کل کتنے لوگ مارے گئے اس کی تعداد نہیں بتائی گئی لیکن حقیقت یہ ہے کہ ان میں مرنے والوں کی اکثریت مسلمان ہے۔ پولیس کے ہاتھوں تنہا گوپال گڑھ میں 10 لوگ مارے گئے۔ جہاں تک مختلف ریاستوں کا تعلق ہے ایک دہائی میں سب سے زیادہ فسادات کے ساتھ مہاراشٹر سر فہرست ہے۔اعداد وشمار کے مطابق 1998ء سے 2008ء کے درمیان ریاست میں 1192 فرقہ وارانہ فسادات ہوئے جو ملک میں سب سے زیادہ ہے۔ 2005ء اور 2006ء کے دوران ریاست میں 20 فیصد معاملے فرقہ وارانہ فسادات کے تھے۔ رپورٹ کے مطابق فسادات کے معاملے میں مہاراشٹر نے گجرات کو بھی پیچھے دھکیل دیا ہے۔اس مدت کے دوران گجرات میں 823 فسادات ہوئے جن میں 1114 لوگ مارے گئے جبکہ مہاراشٹر میں 1192 معاملوں میں 172 لوگوں کی جانیں گئیں۔

اب سے کوئی ایک ماہ قبل، مرکزی وزیر داخلہ پی چدمبرم ریاستوں کو ایک خط بھی لکھ چکے ہیں جس میں انھوں نے ریاستوں کو ہدایت دی ہے کہ وہ فرقہ پرست عناصر پر کڑی نظر رکھیں۔خط میں انھوں نے لکھا کہ مٹھی بھر لوگ ہی ایسے ہیں جو معاشرہ میں منافرت کا زہر بھرتے اور فسادات برپا کرتے ہیں، ان پر نظر ہی نہیں رکھی جانی چاہیے بلکہ بعض صورتوں میں ان کے خلاف سخت کارروائی کی جانی چاہیے تاکہ یہ اپنے ناپاک مقاصد میں کامیاب نہ ہو پائیں، لیکن سوال یہ ہے کہ کیا محض ایک خط سے، فرقہ پرست عناصر پر لگام لگائی جا سکتی ہے اور فسادات کو روکا جا سکتا ہے۔

المیہ یہ ہے کہ آزادی کے بعد سے اب تک جتنے بھی فسادات ہوئے ہیں، ان میں سے کسی ایک میں بھی ملزمین کو سزا نہیں دی جا سکی ہے۔ مرادآباد ہو یا پھر میرٹھ کا ملیانہ، ممبئی ہو یا پھر سورت کا مسلم کش فساد۔ان میں سے ممبئی میں 1992ء اور 1993ء میں جو بدترین مسلم کش فسادات ہوئے وہ اس لحاظ سے اہمیت کے حامل ہیں کہ ایک کمیشن (سری کرشنا کمیشن) کے ذریعہ باقاعدہ اس کی تحقیق کروائی گئی۔جسٹس سری کرشنا کمیشن نے اپنی رپورٹ میں ان فسادات کے لیے ریاستی پولیس انتظامیہ اور کچھ سیاسی پارٹیوں کے لیڈروں کو براہِ راست ذمہ دار ٹھہرایا۔کمیشن نے اپنی غیر جانبدارانہ رپورٹ میں فرقہ پرستوں اور پولیس کے ناپاک گٹھ جوڑ کا پردہ فاش کرتے ہوئے انکشاف کیا تھا کہ ان فسادات میں ان دونوں نے مل کر مسلمانوں کا قتل عام کیا مگر اس رپورٹ پر اب تک کوئی کارروائی نہیں ہوئی۔ ملیانہ میں جو کچھ ہوا، اسے میرٹھ کے لوگ اب تک فراموش نہیں کر سکے

ہیں اس دوران ایک نسل جوان ہوچکی ہے معاملہ ابھی عدالت میں چل رہا ہے بہت سے عینی شاہدین مرچکے ہیں لیکن اس میں ابھی تک گواہیاں تک مکمل نہیں ہوسکی ہیں۔ حالانکہ اتر پردیش کی سی بی سی آئی ڈی اپنی رپورٹ میں برسوں پہلے ایک پلاٹون کمانڈر سمیت پی اے سی کے 27 جوانوں کو قصوروار ٹھہرا چکی ہے۔ 2002ء کے گجرات فسادات میں جگہ جگہ مسلمانوں کا قتل عام ہوا، ان کی نسل کشی کی گئی لیکن ابھی حال ہی میں سردار پورہ کے واقعہ میں گجرات کے ایک خصوصی عدالت نے ۳۱ ملزمین کو عمر قید کی سزا سنائی ہے۔ اس واقعہ میں 33 مسلمانوں کو زندہ جلا دیا گیا تھا۔

اس سے واضح طور پر ثابت ہے کہ ہندوستان کے موجودہ قانونی نظام میں خامیاں ہیں جس کی وجہ سے فسادات برپا کرنے والوں کو قانون کے کٹہرے میں آسانی سے نہیں لایا جاسکتا۔ آئی پی سی کی دفعات اس حوالہ سے ناکام ثابت ہوئی ہیں، شاید اسی بات کو محسوس کرتے ہوئے، یو پی اے حکومت نے فسادات کی روک تھام کے لیے ایک نئے قانون کی ضرورت کو محسوس کیا۔ اس سلسلے میں یو پی اے سربراہ سونیا گاندھی کی خصوصی دلچسپی کے نتیجہ میں، ان کی مشاورتی کونسل نے فرقہ وارانہ تشدد مخالف بل کا مسودہ تیار کیا ہے فرقہ پرست پارٹیاں روزِ اول سے اس بل کی مخالفت کررہی ہیں مگر اب اس کے مخالفین میں وہ سیاسی پارٹیاں بھی شامل ہوگئی ہیں جنھیں اپنی بقا اور اقتدار کے لیے مسلمانوں کا ووٹ چاہیے اور جو ہر الیکشن میں مسلمانوں کے ووٹ سے ہی کامیابیاں حاصل کرتی ہیں۔ بھگوا جماعتیں اس بل کو ہندو مخالف قرار دے رہی ہیں۔ وشو ہندو پریشد کے لوگ دھمکی دے رہے ہیں کہ اگر اس بل کو لایا گیا تو وہ اس کے خلاف سڑکوں پر اتر آئیں گے، در پردہ وہ اکثریتی فرقوں کو اُکسانے کی سازش بھی کررہی ہیں۔

اس بل پر اتفاق رائے اور سیاسی مفاہمت پیدا کرنے کی غرض سے وزیر اعظم نے قومی یکجہتی کونسل کا دو ماہ قبل جو اجلاس طلب کیا تھا، اس میں بھی فرقہ پرست جماعتوں نے جم کر ہنگامہ کیا لیکن افسوسناک پہلو یہ ہے کہ اس اجلاس میں سیکولر کہی جانے والی بی ایس پی، جنتا دل سیکولر اور ترنمول کانگریس جیسی پارٹیوں کی مخالفت بھی سامنے آ گئی۔ اجلاس میں مایاوتی، نتیش کمار اور ممتا بنرجی نے شرکت کی ضرورت تو نہیں محسوس کی لیکن اس بل کی مخالفت کے لیے اپنے نمائندوں کو ضرور بھیج دیا جنھوں نے اپنے اپنے لیڈروں کا موقف پیش کیا۔ مایاوتی کی طرف سے ریاست کے وزیر مالیات لال جی ورما نے موقف پیش کرتے ہوئے کہا کہ اگر چہ مایاوتی جی نے بل کا مسودہ نہیں دیکھا ہے لیکن اس کے بارے میں جو تفصیلات آئی ہیں اس سے صاف لگتا ہے کہ بل کی منشا درست نہیں ہے۔ ممتا بنرجی کا موقف ریلوے کے وزیر دنیش تر دیدی نے پیش کیا۔ انھوں نے کہا کہ مجوزہ شکل میں ان کی پارٹی اس بل کی مخالفت کرتی ہے جبکہ نتیش کمار کی جانب سے ریاست کے ایک وزیر وِجے چودھری نے کہا کہ بل کی بعض دفعات پر ان کے وزیر اعلیٰ نے تشویش کا اظہار کیا ہے کیونکہ اس سے یہ نظریہ قائم ہوسکتا ہے کہ اکثریتی فرقہ ہی ہمیشہ فرقہ وارانہ فسادات برپا کرتا ہے انھوں نے یہ بھی کہا کہ اس سے اکثریتی فرقہ میں ردِ عمل ہوسکتا ہے۔

یہ بھی کہا جارہا ہے کہ اس بل سے مرکز کو غیر معمولی اختیارات حاصل ہوجائیں گے جس کے نتیجہ میں مرکز اور ریاست کے آپسی رشتوں میں دراڑ پیدا ہوگی اور یہ کہ اس بل کی آڑ میں کبھی بھی کسی بھی ریاست کی منتخبہ حکومت کو تحلیل کیا جاسکے گا۔ جبکہ سچائی یہ ہے کہ اس بل میں ایسا کچھ نہیں ہے اور جہاں تک مرکز اور ریاست کے تعلق کی بات ہے تو اس سلسلے میں آئین میں پہلے ہی وضاحت موجود ہے جس میں ایک دوسرے کی حدود مقرر کردی گئی ہیں۔ سچ تو یہ ہے کہ سیکولر کہی جانے والی پارٹیاں مسلمانوں کا ووٹ تو چاہتی ہیں لیکن ان کا تحفظ انھیں منظور نہیں ہے۔ اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ فرقہ پرستوں اور فسادات سے خوف زدہ مسلمانوں کو، یہ پارٹیاں ہمیشہ اپنے ووٹ بینک کے طور پر استعمال کرتی آئی ہیں اور اگر یہ بل اور فسادات کا سلسلہ رُک گیا تو پھر ان پارٹیوں کے سیاسی وجود پر بھی سوالیہ نشان لگ سکتا ہے کیونکہ اگر بی جے پی اور اس کی ہمنوا جماعتوں کو اپنا سیاسی محل تیار کرنے کے لیے انسانی لاشوں کا ڈھیر چاہیے تو ان سیکولر پارٹیوں کو بھی اپنے سیاسی بقا کے لیے فسادات کا آکسیجن چاہیے۔ اب اگر یو پی اے واقعی مسلمانوں کے تئیں مخلص ہے تو اسے چاہیے اپنی حلیف جماعتوں کو اعتماد میں لے کر وہ اس بل کو لائے۔ خود کو سیکولر کہنے والی پارٹیوں کی قلعی کھولنے اور فسادات روکنے کے لیے اب فرقہ وارانہ تشدد مخالف بل ناگزیر ہے۔ (بشکریہ روزنامہ 'راشٹریہ سہارا' 25 نومبر 2011ء)

❑❑

منظومات

مناجات

مری ہر صبح پر انوار کردے
مری ہر رات نغمہ بار کردے

صراطِ خیر کا طالب ہوں تجھ سے
مرا ہر راستہ ہموار کردے

ڈگر پر میں زیاں کے ہوں خدایا
نبی کا حاشیہ بردار کردے

دعا لب پر مرے رہتی ہے اکثر
مسلمانوں کو پھر بیدار کردے

ہماری نسل میں مولائے برتر
نئی اِک پود تو تیار کردے

لکھوں میں جب بھی تیری حمد مولیٰ
تو زندہ میرے کچھ اشعار کردے

سکونِ قلب خوشدلؔ کو عطا کردے
تو روشن تر مرے افکار کردے

فرحت حسین خوشدلؔ

نعت پاک

میرے لبوں پہ ذکر نبی کا ،کل بھی تھا اور آج بھی ہے
کعبۂ دل میں ان کا جلوہ ،کل بھی تھا اور آج بھی ہے

بعد خدا کے آپ کا رتبہ ،کل بھی تھا اور آج بھی ہے
نام نبی کا سب سے پیارا ،کل بھی تھا اور آج بھی ہے

دشمنِ آقا کا سر نیچا ، کل بھی تھا اور آج بھی ہے
اونچا نبی کے نام کا جھنڈا ،کل بھی تھا اور آج بھی ہے

کوئی چاہے کچھ بھی بولے ، وہ میرے میں ان کا ہوں
میرے نبی سے میرا ناتا ،کل بھی تھا اور آج بھی ہے

میرے نبی کی عظمت سے ، انکار کیا ہے جس نے بھی
سارے جہاں میں وہ تو رُسوا ،کل بھی تھا اور آج بھی ہے

میرے آقا کی چوکھٹ سے ، کوئی نہیں مایوس پھرا
سارا زمانہ اُن کا منگتا ،کل بھی تھا اور آج بھی ہے

حشر کا سورج شنکرؔ آخر ، آنکھ دِکھائے کیوں مجھ کو
میرے نبی کا مجھ پر سایہ ،کل بھی تھا اور آج بھی ہے

شنکر کیموری
آکاش وانی، بھاگلپور–812001 (بہار)

اصلاحِ معاشرہ اور سماجی پاکیزگی کے لیے قرآنی احکامات

مولانا محمد ابراھیم نوری

زنا کی سزا:

زنا ایک بدترین گناہ ہے۔ قرآن مجید میں حق سبحانہٗ وتعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے کہ ''زنا کے قریب بھی نہ جاؤ یقیناً وہ بے حیائی کا کام ہے۔''

(پارہ 15، سورہ بنی اسرائیل)

اس گناہ کو مٹانے کے لیے اسلام نے جو سزا تجویز کی ہے وہ یہ ہے:

جو عورت اور مرد زنا کریں ان دونوں کو سو سو دُرّے مارو اور اگر تم خدا اور آخرت پر یقین رکھتے ہو تو خدا کے اس حکم کی تعمیل میں مجرموں کے حال پر رحم نہ کرو اور یہ ضرور ہے کہ زنا کاروں کو جس وقت سزا دی جائے تو اس وقت مسلمانوں کی ایک جماعت ان کی نصیحت کے لیے موجود رہے۔ (پارہ 18، سورہ نور)

مفسرین نے لکھا ہے کہ اگر غیر شادی شدہ مرد یا عورت پر چار گواہوں کی شہادت سے یا حمل سے یا اقرار سے زنا کا جرم ثابت ہو جائے تو ان کو سو درّے مارے جائیں اور اگر مرد و عورت شادی شدہ ہیں اور ان کا مجرم ہونا ثابت ہے تو اسے سنگسار کیا جائے اور اگر شادی شدہ بدکار عورت حاملہ ہے تو وضع حمل کے بعد اُسے سنگسار کیا جائے اور لونڈی غلاموں کے لیے سنگساری کی سزا نہیں ہے بلکہ ان کے لیے صرف پچاس دُرّے مقرر ہیں۔

حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ: حضور آقائے دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم کے اجلاس میں جب شادی شدہ بدکار پیش ہوتے تھے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سو دُرّے مارنے کا حکم صادر فرماتے اور جب غیر شادی شدہ بدکار حاضر کیے جاتے تو ان کے لیے سنگساری کا حکم صادر ہوتا۔

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ایک روز ایک معزز قبیلہ کے ایک زانی اور زانیہ عورت کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اجلاس میں پیش کیا گیا۔ وہ غیر شادی شدہ تھے۔ حضور نے ان کے جرم کے متعلق کافی تفتیش فرمائی۔ جب چار شہادتوں سے ثابت ہو گیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں کو سو سو درّے مارنے کا حکم دیا اور اس کی تعمیل کے وقت بہت سے مہاجرین اور انصار بھی موجود تھے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اجلاس میں ایک زنا کار حاملہ کو پیش کیا گیا۔ جب معتبر شہادتوں سے ثابت ہو گیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے حفاظت میں رکھنے کا حکم دیا۔ جب وہ عورت وضع حمل سے فارغ ہو گئی تو اسے سنگسار کیے جانے کا حکم دیا۔

زنا کی تہمت:

کسی پرہیزگار متقی مرد یا عورت پر زنا کا الزام لگانا بدترین گناہ ہے۔ اسلام نے جس طرح زانی اور زانیہ کے لیے سزائیں مقرر کی ہیں اُسی طرح ان لوگوں کے لیے بھی سزائیں مقرر کی ہیں جو ازراہِ شرارت نیک آدمیوں پر زنا کی تہمت لگاتے ہیں۔ قرآن مجید میں حق سبحانہٗ وتعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے کہ:

''جو لوگ پاک دامن عورتوں پر زنا کی تہمت لگائیں اور اپنے دعوے پر چار گواہ نہ لا سکیں تو ایسے آدمیوں کو اسّی درّے مارے جائیں اور ان کی کوئی گواہی قبول نہ کرو (تا وقتیکہ وہ توبہ نہ کریں)۔''

یہ اُن کے لیے دنیا میں سزا ہے اور آخرت میں بھی مستحق سزا ہیں۔ اس آیت کی تفسیر میں مفسرین نے لکھا ہے کہ فرمانِ الٰہی کا مطلب یہ ہے کہ اگر الزام لگانے والے الزام کے ثبوت میں چار آدمیوں کی شہادت پیش نہ کر سکیں تو اس جھوٹے الزام کی سزا میں ان کو اسّی درّے مارے جائیں اور ایسے لوگوں کی گواہی اس وقت تک قبول نہ کی جائے جب تک کہ وہ توبہ نہ کر لیں۔

سنہ 6 ہجری میں غزوۂ بنی مصطلق سے واپسی کے وقت جب بعض منافقین نے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر شرمناک تہمت لگائی اور بعض سادہ لوح مسلمان بھی اس مصیبت میں مبتلا ہوئے تو آقائے پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کو افسوس ہوا۔ پھر جب حق سبحانہٗ وتعالیٰ نے حضرت ام المومنین رضی اللہ عنہا کی معصومیت کے بارے میں آیتیں نازل فرما کر اس بہتان کو جھوٹا قرار دیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجرمین کو اسّی اسّی درّے مارنے کا حکم صادر فرما دیا۔

گالی دینے کی سزا:

اگر کوئی شخص کسی کو گالی دے یا کسی نیک آدمی کو کافر یا فاسق یا ملعون کہے تو جرم ثابت ہونے پر اس کو کم از کم تین درّے مارے جائیں اور اگر وہ بدزبانی سے باز نہ آئے اور پھر اسی عزم کا ارتکاب کرے تو دس درّے مارے جائیں اور اگر پھر بھی باز نہ آئے اور اپنی عادت پر قائم رہے تو انتالیس درّے مارے جائیں۔ حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور

باقی صفحہ 17 پر

کلمۂ طیبہ کی تشریح

مولانا مظفر احمد بدایونی

کلمہ طیبہ کے دو جز ہیں۔ اوّل لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کلمہ توحید ہے اور دوسرا جز **مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہ** کلمہ رسالت ہے۔ دونوں جز مل کر کلمہ طیبہ یا کلمہ اسلام کہلاتے ہیں۔ یہی وہ کلمۂ مبارک ہے جسے غیر مسلم کو مسلمان ہونے یا مسلمان کو اپنا اسلام ظاہر کرنے کے وقت زبان سے ادا کرنا ضروری ہے۔ لہٰذا مسلمانوں کو چاہیے کہ اس کے پورے پورے معنی سمجھ لیں اور اچھی طرح اپنے دل میں محفوظ رکھیں۔

کلمۂ توحید:

پہلے کلمۂ توحید کو سمجھ لینا ضروری ہے۔ چونکہ تمام ایمانیات میں سب سے مقدم خدا تعالیٰ کی توحید پر ایمان لانا ضروری ہے۔ توحید کا ترجمہ ہے اللہ تعالیٰ کو ایک ماننا، ایک جاننا اور ایک یقین کرنا۔

توحید کی دو صورتیں:

(1) توحید بہ اعتبار وجوبِ وجود (2) توحید بہ اعتبار معبودیت۔

کلمۂ جلالت 'اللہ': یہ توحید وجوبِ وجود پر دلالت کرتا ہے۔ اس لیے کہ اللہ اس ذاتِ مقدس کا نام ہے جو واجب الوجود ہے اور تمام اچھی صفتوں سے متصف ہے۔ اللہ اس ذات کا نام ہے جس میں تمام صفاتِ کمال جمع ہیں اور وہ خود ہے اسی لیے اُسے خدا کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ایک ہے، اس کے سوا کوئی اور اللہ یعنی معبودِ برحق مستحق عبادت نہیں۔ اور نہ کوئی اس کی ذات و صفات، اسماء، افعال اور احکام میں شریک ہے۔ اللہ تعالیٰ واجب الوجود ہے یعنی اس کا وجود ضروری ہے اور عدم یعنی نہ ہونا محال ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا۔ کبھی فنا نہ ہوگا۔ اللہ تعالیٰ میں تمام خوبیاں و صفات کامل جمع ہیں اور وہ ہر عیب اور نقصان کی چیز سے پاک ہے۔ اس میں ایسی باتیں ہونا محال ہیں جیسے دغا، فریب، جھوٹ، ظلم، جہل، بے حیائی وغیرہ بری اور عیب کی باتیں۔ اللہ تعالیٰ کے تمام نام اور صفتیں ہمیشہ سے ہیں، پیدا کی ہوئی اور نئی نہیں ہیں اور نہ ان کے لیے ابتدا و انتہا ہے۔ جو کوئی انھیں پیدا کی ہوئی نئی بتادے وہ بے دین و گمراہ ہے۔

یہ تمام باتیں کہ واجب الوجود، ہمیشہ سے ہو، ہمیشہ رہے، تمام صفاتِ کمالیہ سے متصف ہو، اس کا وجود اور اس کی صفتیں کسی کی دی ہوئی نہ ہوں، ایک کے سوا دوسرے میں پایا جانا محال ہیں۔ اس لیے ثابت ہوا کہ یہ تمام باتیں صرف ایک ہی ذات میں پائی جاسکتی ہیں نہ کہ دو میں یعنی وہ ایک ہے اور اسی کو اللہ کہتے ہیں۔

یہ توحید بمعنی وجوبِ وجود ہے جو صرف کلمۂ جلالت (اللہ) سے معلوم ہوئی۔ اسی واسطے اس کلمہ میں اللہ لایا گیا نہ الرحمٰن، الرحیم، الملک وغیرہ تاکہ توحید وجوبِ وجود بھی اسی کلمہ سے معلوم ہوجائے۔

شرک:

اس توحید کے مقابلہ میں شرک یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی چیز کو واجب الوجود اور اس کی صفتوں کو قدیم ماننا۔ اس کو شرک فی وجوب الوجود کہتے ہیں۔

ایمان:

مسلمان کو جو ایمان رکھنا چاہیے وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کی صفتوں کے سوا کسی کے وجود یا اُس کی صفتوں کو خدا کا پیدا کیا ہوا اور خدا کا عطا کیا ہوا سمجھے۔ اس لیے کہ خداوند تعالیٰ نے ہی عالم کے ذرّہ ذرّہ کو پیدا فرمایا اور جو جن صفتوں کے لائق تھا اُس کو وہ صفتیں عطا فرمائیں۔ خدا کی بخشی ہوئی صفتوں میں ایمان ہے، نبوت و رسالت ہے، صدیقیت و شہادت ہے، صلاح و ولایت ہے، حیات و علم ہے، قدرت و تصرف ہے، مشیت و ارادہ ہے، سمع و بصر ہے۔ تکلم اور اُس کی حقانیت و صداقت ہے۔ دولت و امارت ہے، حکومت و سلطنت ہے۔ عجیب و غریب چیزوں کی ایجاد و صنعت، عظمت و شوکت ہے، وغیرہ وغیرہ۔

فرشتوں، انسانوں اور جنات میں ان صفتوں کے ظہور موجود ہیں۔ اُن کی یہ صفتیں عطائی ہیں یعنی خدا کی بخشی ہوئی ہیں۔ خداوند تعالیٰ نے اپنے بندوں میں سے جس کو جس صفت کے لیے مناسب جانا وہ صفت عطا فرمائی۔ جس قدر صفتوں کے لائق جانا اُس قدر دیں، جب ایسی ذات جو واجب الوجود ہو اور تمام صفاتِ کمالیہ سے متصف ہو اور اس کی ذات اور اس کی صفات کسی کی عطا کی ہوئی نہ ہوں صرف ایک ہی ہے تو وہی ایک مستحق عبادت اور لائقِ پرستش ہے۔ اسی کو توحید معبودیت کہتے ہیں اور اسی توحید کے لیے یہ

کلمہ لَآ اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہ نازل فرمایا گیا۔

شرک :

اس کے مقابلہ میں شرک یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی چیز کو معبود سمجھنا، مستحقِ عبادت جاننا۔ اس کو شرک فی العبادات کہتے ہیں۔

ایمان:

اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں میں سے خاص خاص بندوں کو عظمت و بزرگی عطا فرمائی ہے اور ان کی تعظیم و تکریم بجالانے کا حکم فرمایا ہے، جس کے لیے جو طریقہ تعظیم و تکریم کا بتایا اس طریقہ سے معظم سمجھنا ایمان ہے۔

عبادت اور تعظیم:

آیئے یہاں پر عبادت اور تعظیم کا فرق بھی ذکر کرتے چلیں چونکہ بہت سے حضرات اس فرق کو نہ سمجھنے کی وجہ سے غلطی کر جاتے ہیں اور بہت سی چیزوں کو بلاوجہ شرک کہہ کر مسلمانوں کو مشرک بنانا شروع کر دیتے ہیں۔ بلکہ شیطان اسی وجہ سے مردود بارگاہِ الٰہی ہوا کہ اس نے عبادت و تعظیم میں فرق نہ سمجھا اور حکم خدا کے برخلاف کیا۔

عبادت کے معنی ہیں کسی کو معبود سمجھتے ہوئے اس کی تعظیم بجالانا اور اس کے سامنے اپنی عاجزی و خشوع و خضوع کو پیش کرنا۔ یہ غیر خدا کے لیے شرک ہے۔

تعظیم : کسی کی صرف تعظیم بجالانا اور اس کو معبود نہ سمجھنا۔ یہ مطلق تعظیم جائز ہے بلکہ کہیں کہیں فرض و واجب ہے۔ یہ نہ عبادت ہے اور نہ شرک۔ اس واسطے کلمۂ توحید میں لفظ 'اِلٰـہ' لایا گیا جو معبود کے معنی میں ہے۔ اور لفظ معظم لا کر نفی نہ فرمائی کہ لَامُعَظّم اِلَّا اللّٰـہ (اللہ کے سوا کوئی قابلِ تعظیم نہیں) تاکہ معلوم ہو جائے کہ معبود سمجھ کر غیر خدا کی تعظیم بجالانا شرک ہے۔

کسی کو صرف معظم (تعظیم کے لائق) سمجھنا اور اس کی تعظیم و تکریم کرنے کا اللہ نے اظہار فرمایا بلکہ حکم دیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے فرمایا کہ:

وَعَزَّرُوْہُ وَنَصَرُوْہُ۔ (پ9)

نیز فرمایا:

وَتُعَزِّرُوْہُ وَتُوَقِّرُوْہُ۔ (پ26)

رسول کریم کی تعظیم و توقیر بجالاؤ۔

حضرات ملائکہ کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے متعلق ارشادِ الٰہی ہے:

عِبَادٌ مُّکْرَمُوْنَ۔ (پ17)

عظمت والے بندے ہیں۔

مسلمانوں کے لیے فرمانِ الٰہی ہے:

اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ۔ (پ26)

بیشک اللہ کے یہاں تم میں زیادہ عزّت والا وہ ہے جو تم میں زیادہ پرہیزگار ہے۔"

شعائرِ اسلام کے لیے خدا تعالیٰ فرماتا ہے:

وَمَنْ یُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللّٰہِ۔ (پ17)

اور جو اللہ کے نشانوں کی تعظیم کرے۔

وَمَنْ یُّعَظِّمْ حُرُمٰتِ اللّٰہِ۔ (پ17)

اور جو اللہ کی حرمتوں کی تعظیم کرے۔

آقائے کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں:

مَنْ لَّمْ یُوَقِّرْ کَبِیْرَنَا فَلَیْسَ مِنَّا۔ (مشکوٰۃ)

جو بڑے کی تعظیم و توقیر نہ کرے وہ ہماری جماعت سے نہیں۔

یہ تمام چیزیں غیر خدا ہیں اور مستحقِ تعظیم ہیں۔ قرآن کریم اور حدیث میں ان کے معظم ہونے کا ذکر ہے۔ تو معلوم ہوا کہ عبادت اور ہے اور تعظیم اور۔ اور غیر خدا کی تعظیم و تکریم جائز ہے۔ مسلمان معظمین حضرات کو صرف معظم سمجھتا ہے اور تعظیم بجالاتا ہے، معبود نہیں جانتا اور نہ ہی جاننا چاہیے۔ معبود تو صرف ایک ہی ہے۔ لَآ اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہ۔

افعال تعظیم:

بہت سے اعمال و افعال ایسے ہیں جن کو شریعتِ مطہرہ نے تعظیم کے لیے مقرر کیا ہے مثلاً:

(1) ادب سے کھڑا ہونا۔
(2) ادب سے جھکنا یا سجدہ کرنا۔
(3) ادب سے بیٹھنا۔
(4) ہاتھ باندھنا وغیرہ۔

یہ سب تعظیم کے افعال ہیں۔ یہ افعال کسی کے لیے معبود سمجھ کر ادا کیے جائیں تو عبادت کہلائیں گے ورنہ صرف تعظیم۔ ہاں ان چیزوں میں سے بعض وہ چیزیں بھی ہیں جن کے ساتھ غیر خدا کی تعظیم بجالانا شریعت محمدیہ میں حرام ہے۔ جیسے کوئی تعظیم کے لیے حدِ رکوع تک جھکے یا سجدہ کرے۔ اگر کوئی ایسا کرے گا تو گنہگار ہوگا، اگرچہ شرک نہ ہوگا۔ اس لیے کہ شرک بغیر معبود سمجھے نہیں ہوسکتا۔ اور ان میں بعض چیزیں وہ ہیں جن کے ساتھ غیر خدا کی تعظیم و تکریم درست ہے۔ جیسے تعظیم کے لیے کھڑا ہونا۔ حضور پُر نور صلی اللہ

علیہ وسلم نے حضرت سعد کے لیے کھڑے ہونے کا حکم فرمایا۔ اور حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے کھڑی ہو جاتی تھیں۔ (مشکوٰۃ شریف)

نماز:

اللہ تعالیٰ نے اپنی عبادت اور تعظیم بجالانے کے لیے کئی طریقے مقرر فرمائے ہیں۔ نماز، روزہ، حج یہ سب خدا کی عبادتیں ہیں۔ ان میں نماز بہت سے افعالِ تعظیم پر مشتمل ہے۔ اس میں قیام بھی ہے۔ رکوع و سجود بھی ہے۔ قعود بھی ہے، ہاتھ کا باندھنا بھی ہے۔ یہ سب تعظیمیں خدا کو معبود سمجھ کر ادا کی جاتی ہیں۔ اسی واسطے نماز کو عبادت کہتے ہیں۔

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ الله (ﷺ)

یہ کلمہ طیبہ کا دوسرا جز ہے اور کلمہ طیبہ کا جزو لاینفک ہے۔ یعنی جب تک رسالت پر ایمان نہ ہوگا توحید پر ایمان غیر مقبول ہوگا:

بجز حبِ محمد کامل ایماں ہو نہیں سکتا

محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس ذات مبارکہ کا نام نامی اسم گرامی ہے جو حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بیٹے اور حضرت عبدالمطلب کے پوتے ہیں۔

ہمارے سید و آقا کا مقدس نام محمد (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) ہے۔ یہ نام قدرتِ الٰہیہ کی طرف سے خود آیتِ عظیم ہے۔ اس اسم پاک کی ترکیب لفظی اور معنوی پر غور کیجیے۔

یہ حَمَّدَ، یُحَمِّدُ سے بنایا گیا ہے۔ ترکیب صرفی بتلا رہی ہے کہ یہ وزن تضاعف کے لیے ہے اور اس کے وزن کا صیغہ اپنے معانی پر باضعافِ کثیرہ حاوی ہے۔ اب مادّۂ حمد (ح، م، د) پر غور فرمائیے۔ خلاصہ یہ کہ محمد حمد سے مشتق ہے اور اسم مفعول ہے اور اس کے معنی وہ ذاتِ گرامی جس کی حمد نہایت کثرت و تضاعف کے ساتھ بار بار اور متواتر کی جائے۔ یعنی ہر آن برزبان جس کی نعت پڑھی جائے۔ گویا کہ جس کا مقدس نام آج کروڑوں اشخاص کی زبانوں پر جاری اور قلوب میں ساری ہے۔ وہ کون ہے جس کے مقدس نام کی نوبت شاہانہ مساجد کے بلند ترین میناروں سے سامعہ نواز ہے؟ وہ کون ہے جو اپنے افعال اور اپنی تعلیم میں محمود ہے؟ وہ کون ہے جس کی رفعت فرش سے عرش تک ملی ہوئی ہے؟ وہ کون ہے جس کی تعظیم کی وسعت بحر و بر پر چھائی ہوئی ہے؟ بیشک وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ اسم بھی محمد ہے اور مسمّٰی بھی محمد ہے۔ انھیں کے مقام شفاعت کا نام مقام محمود ہے۔ اور انھی کی امت حمادون کے لقب سے روشناس ہے۔ اسی کی لائی ہوئی کتاب کا اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ سے افتتاح ہوتا ہے۔

رسالت کے معنی ہیں خدا کے پیغام، اُس کے احکام بندوں تک پہنچانا۔

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ الله کے معنی ہوئے محمد صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے پیغام بندوں تک پہنچانے والے۔

نکتہ:

کلمہ طیبہ کا پہلا جز تو اعلانِ مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء ہے اور کلمہ کا دوسرا جز اعلانِ کبریا ہے۔ گویا کہ اے محبوب! تم میری توحید کا پرچم لہراؤ اور میں تمھاری رسالت کا ڈنکا بجاتا ہوں گویا کہ:

جناب محمد برائے الٰہی
جناب الٰہی برائے محمد

ظاہر ہے کہ کسی انسان کو ہم اپنی طرف سے نہ رسول و نبی کہہ سکتے ہیں اور نہ مان سکتے ہیں جب تک کہ وہ نبی اپنی زبان سے اپنا نبی و رسول ہونا ظاہر نہ فرمائے۔ اور یہ بھی ظاہر ہے کہ کسی کی بات قابلِ تسلیم نہیں ہوسکتی جب تک کہ کہنے والے کی صداقت نہ معلوم ہو۔ اسی لیے خدا تعالیٰ نے ہر اس ذات کو جس کو نبی و رسول بنانا چاہا بچپن سے ایسی پاک اور ستھری زندگی عطا فرمائی کہ اس کی کوئی ساعت ایسی نہیں گزری جو صداقت و حقانیت، امانت و عدالت، مروّت، تقویٰ، صلاح، اخلاقِ حسنہ، خدا ترسی و بے نفسی کے خلاف ہو۔ اسی واسطے انبیا و رسل کو اُس وقت نبی و رسول بنا کر بندوں کے سامنے پیش کیا جب زندگی کا وہ حصہ جو زمانہ شرور و فتن ہوتا ہے، صداقت و حقانیت، تقویٰ و صلاح وغیرہ سے لبریز گزر گیا تاکہ قوم اس دَور کا پورے طور سے مطالعہ کرے اور دعویٰ نبوت کے وقت اس فیصلہ میں اُس کو کوئی اُلجھن نہ ہو کہ جس کی زندگی دعویٰ نبوت سے پہلے اس قدر پاک اور بے گناہ رہی ہو وہ اَب دعویٰ نبوت میں غلط بیانی اور کذب کلام سے کام نہیں لے سکتا۔

معلوم ہوا کہ دعویٰ نبوت کی صداقت و حقانیت کی سب سے بڑی دلیل اُس نبی کی پاک اور بے گناہ زندگی ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام اور اُن کے بعد سے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک تمام انبیا و رسل کی زندگی ایسی ہی پاک اور ستھری زندگی گزری۔ علاوہ بریں وقتاً فوقتاً حسبِ حکمت الٰہی ایسے دلائل و براہین عطا ہوتے رہے جو تازہ تازہ ثبوت پیش کرتے رہیں۔ ان دلائل کو اصلاح شریعت میں معجزہ کہتے ہیں۔ □□

(بشکریہ ماہنامہ اعلیٰ حضرت، بریلی شمارہ اگست ۱۹۶۷ء)

قادیانی اوراہلِ حدیث

کوثر امام قادری☆

انگریزی دورِ اقتدار سے قبل پورے غیر منقسم ہندوستان میں صرف ایک نظریہ واعتقاد کے ماننے والے مسلمان تھے۔ سب کا عقیدہ، مذہب و مسلک ایک تھا اور سب حنفیت کے قائل یعنی امام اعظم ابوحنیفہ کے مقلد اور اولیائے اسلام کے معتقد تھے اور کیوں نہ ہوں جبکہ خود ان ہی اولیائے کرام کے دم قدم سے ہندوستان میں تعلیماتِ اسلام کی بہاریں آئیں۔ عقیدۂ توحید و رسالت کی روشنی پھیلی۔ گویا تمام ہندوستانی مسلمان غوث وخواجہ کے چاہنے والے اور امام اعظم ابوحنیفہ کی تقلید کرنے والے تھے۔

جب ہندوستان میں انگریزوں کی حکومت قائم ہوئی تو انھوں نے اپنے اقتدار کے استحکام کے لیے مسلمانوں کے درمیان ذہنی اختلاف، فکری انتشار اور مذہبی و اعتقادی افتراق پیدا کرنے نیز مسلمانوں کو صراطِ مستقیم سے ہٹانے اور مسلم جمعیت کو پارہ پارہ کرنے کے لیے دولت وثروت کا لالچ دے کر کثیر تعداد میں علمائے سو کا مذہبی گروپ تیار کیا۔ نتیجے میں متعدد فرقے وجود پذیر ہوئے۔ ان ہی فرقوں میں ایک فرقہ 'احمدی قادیانی' ہے اور دوسرا فرقہ 'جماعت اہل حدیث' یعنی غیر مقلد وسلفی ہے۔ یہ دونوں جماعتیں چونکہ ایک ہی بطن سے پیدا ہوئی ہیں اس لیے اگرچہ ان میں بظاہر اختلاف پایا جاتا ہے لیکن یہ بباطن متحد ومتفق ہیں۔ پیشِ نظر مضمون میں اس اتحاد واتفاق کا ایک منظر ملاحظہ کریں۔

قادیانی:

اس فرقے کا بانی قاضیان (پنجاب) کا رہنے والا مرزا غلام احمد قادیانی ہے۔ اس نے ابتدا میں امام مہدی، پھر عیسیٰ بن مریم ہونے کا دعویٰ کیا، رفتہ رفتہ اس نے پچھلے تمام انبیائے کرام کا مذاق اُڑایا اور اپنے مستقل نبی ورسول ہونے کا اعلان کر دیا۔ چونکہ اس فرقے کو حکومت کی پشت پناہی حاصل تھی اس لیے یہ تحریک بھی بہت جلد ترقی کی راہوں پر چل پڑی۔

اس فرقے کے بانی نے اپنی نبوت ورسالت کی تبلیغ واشاعت کے لیے ایک درجن سے زائد کتابیں لکھیں۔ ان کتابوں میں کفریات، ہفوات، بدعات اور خرافات کا انبار لگا دیا۔ اس کے ماننے والے جنھیں مرزائی یا قادیانی کہا جاتا ہے ان ہی کفریات کے ترجمان ومعتقد اور مبلغ ہیں۔ اس کے چند عقائد حسب ذیل ہیں۔ وہ اپنی کتابوں میں لکھتا ہے:

- ''میں احمد ہوں جو آیت مُبَشِّراً رَسُولٍ یَاتِی مِنْ بَعْدِہٖ اِسْمُہٗ اَحْمَد میں مراد ہے۔'' (توضیح الرام، ص14)
- ''میں محدث ہوں اور محدث بھی ایک معنی میں نبی ہوتا ہے۔'' (حوالہ سابق)
- ''سچا خدا وہی ہے جس نے قادیان میں اپنا رسول بھیجا۔'' (دافع البلا، ص16)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے اپنے کو بڑا تصور کرتا ہے اور کہتا ہے:

- ابن مریم کے ذکر کو چھوڑو

اس سے بہتر غلام احمد ہے (دافع البلا، ص30)

- حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں کہتا ہے:

''بوجہ مسمریزم کے عمل کرنے تنویر باطن اور توحید اور دینی استقامت میں کم درجہ پر بلکہ قریب ناکام رہے۔ (ازالہ اوہام، ص116)

- ''ایک زمانہ میں چار سو نبیوں کی پیشین گوئی غلط ہوئی اور وہ جھوٹے ٹھہرے۔'' (ازالہ اوہام، ص234)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں لکھتا ہے:

- ''آپ کے ہاتھ میں سوا مکر وفریب کے کچھ نہ تھا۔'' (ضمیمہ انجام آتھم، ص7)
- ''آپ کا خاندان بھی نہایت ناپاک ہے۔'' (حوالہ سابق)
- آپ کی تین دادیاں اور نانیاں زنا کار اور کسبی عورتیں تھیں جن کے خون سے آپ کا وجود ہوا۔ (حوالہ سابق)

معاذ اللّٰہ من تلک الخرافات المرزائیہ۔

اس طرح اس نے سینکڑوں کفری کلمات لکھے۔ انبیائے کرام ورسولانِ عظام کو جی بھر گالیاں دیں۔ اس دور کے انبیائے کرام نے اس کا تعاقب کیا۔ اس کے خلاف کتابیں لکھیں۔ اس پر کفر وارتداد کا فتویٰ دیا۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری محدث بریلوی رضی اللہ عنہ نے مستقل چھ رسالے اس کے ردّ میں تصنیف فرمائے۔ اس کے کفری عقائد کی بیخ کنی فرمائی۔ اس کا مرتد ہونا ثابت کیا۔ حاصل کلام یہ کہ قادیانی اور اس کے پیروکاروں کے کفر وارتداد پر اجماعِ امت ہوگیا۔

اہل حدیث:

اسی طرح دورِ انگلشیہ میں اہل حدیث کا ظہور ہوا۔ یہ فرقہ محمد بن

☆ دارالعلوم قدوسیہ، پرسونی بازار، مہراج گنج، یوپی

عبدالوہاب نجدی کے عقائد باطلہ کا پیروکار تھا اور ہے اسی لیے عوام میں یہ 'وہابی' کے نام سے متعارف ہوا۔ چونکہ مسلمان ابن عبدالوہاب کے سیاہ کارنامے اور کالے کرتوت دیکھ چکے تھے۔حرم شریف میں قتل و خونریزی، آثارِ رسول و مقابر صحابہ و تابعین کا انہدام، بدعات و خرافات کی ترویج، عداوتِ رسول وصحابہ کے جذبہ کا فروغ جس راستے پر امت مسلمہ چودہ سو سال سے گامزن تھی اسے جدا کرنے کی کوشش اور حجاز و حرم پر بزورِ شمشیر غلبہ یہ سب ابن عبدالوہاب نجدی کے سیاہ کارنامے تھے جس کے سبب وہ پوری دُنیا میں بدنام ہوا اور علمائے عرب و عجم کے نزدیک وہ گمراہ، ضال، مضل اور کافر و مرتد قرار پایا اس لیے اس کے نام کی نسبت کے سبب ہندوستان میں اہل حدیث بھی گری ہوئی نظروں سے دیکھے جاتے تھے۔ بایں سبب انھوں نے بتدریج اپنے نام میں تبدیلی کی اور انگریزی حکومت سے اپنے لیے 'اہل حدیث' نام منظور کرایا۔ چنانچہ مولوی عبدالمجید خادم سوہدروی غیر مقلد اس حقیقت کی نقاب کشائی کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''مولوی محمد حسین بٹالوی نے 'اشاعت السنۃ' کے ذریعہ اہلحدیث کی بہت خدمت کی۔ لفظ 'وہابی' آپ ہی کی کوششوں سے سرکاری دفاتر اور کاغذات سے منسوخ ہوا اور جماعت کو 'اہلحدیث' کے نام سے موسوم کیا گیا...... آپ نے حکومت کی خدمت بھی کی اور انعام میں جاگیر پائی۔''

(حاشیہ سیرت ثنائی، ص452 بحوالہ تعارف اہلحدیث)

اب یہ فرقہ اپنے آپ کو اہلحدیث وسلفی کہنے لگا مگر آج بھی عوام میں لفظ 'وہابی' اور غیر مقلد ہی زیادہ مشہور ہے۔ اس فرقے کا عقیدہ قرآن و سنت سے جدا ہے۔ یہ غلام احمد قادیانی اور اس کے متبعین کو مسلمان کہتا ہے جب کہ دنیا کے تمام مسلمانوں نے قادیانیوں کا بائیکاٹ کیا، مسلم حکومتوں نے پابندی لگائی۔ اسلام سے خارج ہونے کا فیصلہ لیا۔ چاروں ائمہ کے ماننے والے علما، فقہا، مقلدین سب نے قادیانیوں کو کافر و مرتد قرار دیا، مگر اہلحدیث ہیں کہ اسی قادیانی کو مسلمان سمجھتے ہیں۔ اس کے پیچھے نماز پڑھنے کو جائز بتاتے ہیں۔ اس کے یہاں دعوتِ نکاح میں شریک ہوتے ہیں۔ اس کے عقائد سے اتفاق رکھتے ہیں اور اسے مومن و موحد تسلیم کرتے ہیں۔ فرقہ اہلحدیث کے ذمہ دار عالم مولوی ثناءاللہ امرتسری لکھتے ہیں:

''اسلامی فرقوں میں خواہ کتنا ہی اختلاف ہو مگر آخر کار نقطۂ محمدیت پر جو درجہ ہے وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ کا سب شریک ہیں۔ اس لیے گو ان میں باہمی سخت شقاق ہے مگر اس نقطۂ محمدیت کے لحاظ سے ان کو باہمی رُحَمَآءُ ہونا چاہیے۔ مرزائیوں کا سب سے زیادہ مخالف میں ہوں مگر نقطۂ محمدیت کی وجہ سے میں ان کو بھی اس میں شامل سمجھتا ہوں۔''

(اخبار اہلحدیث امرتسر، ص3، 16 اپریل 1915ء بحوالہ تعارف علماء اہلحدیث)

اتنا ہی نہیں اگر ضرورت پڑی تو غیر مقلد عالم نے عدالت کے سامنے قادیانیوں کے اسلام و ایمان کی شہادت بھی پیش کی۔ مولوی عبدالعزیز سیکریٹری جمعیۃ مرکزیہ اہلحدیث ہند لکھتے ہیں:

''آپ نے (مولانا امرتسری) مرزائیوں کو عدالت میں مرزائی وکیل کے سوالات کا جواب دیتے ہوئے مرزائیوں کو مسلمان مانا۔'' (فیصلہ مکہ، ص36)

اہلحدیث نے قادیانیوں کو صرف مسلمان ہی نہیں جانا بلکہ ان کے ساتھ عبادات و معاملات میں بہتر سے بہتر سلوک کیا، چنانچہ جو مرزائی غلام احمد کو نبی و رسول مانتے ہیں ان سے نکاح کے بارے میں فتویٰ پوچھا گیا کہ آیا ان سے نکاح جائز ہے یا نہیں؟ تو انھوں نے جوازِ نکاح کا فتویٰ دیا۔ مولوی ثناءاللہ امرتسری غیر مقلد لکھتے ہیں:

''اگر عورت مرزائن ہے تو علما کی رائے ممکن ہے مخالف ہو۔ میرے ناقص علم میں نکاح جائز ہے۔'' (اخبار اہلحدیث امرتسر، 2 نومبر 1934ء بحوالہ تعارف اہلحدیث)

نکاح جائز ہونے کا فتویٰ کیوں نہیں دیتے جب کہ خود ان کے شیخ الکل فی الکل نے مرزا غلام احمد قادیانی کا نکاح پڑھایا اور نذرانے حاصل کیے۔ مؤلف 'تاریخ احمدیت' لکھتے ہیں:

''شادی کی تاریخ طے پا گئی تو آسمانی دولہا یعنی مسیح موعود علیہ السلام مرزا قادیانی دو خدام کی مختصر سی بارات لے کر دہلی پہنچے۔ خواجہ میر درد کی مسجد میں عصر و مغرب کے درمیان مولوی نذیر حسین صاحب دہلوی نے گیارہ سو روپے مہر پر نکاح پڑھا جو ضعف و بڑھاپے کی وجہ سے چل پھر نہیں سکتے تھے اور ڈولی میں بیٹھ کر آتے تھے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام (مرزا قادیانی) نے اس موقع پر مولوی صاحب کو ایک مصلیٰ اور پانچ روپے بطور ہدیہ دیے۔'' (تاریخ احمدیت، جلد دوم، ص54، بحوالہ تعارف علماء اہلحدیث)

شاید آپ کو یہ جان کر حیرت ہوگی کہ بات صرف اتنی ہی نہیں ہے کہ اہلحدیث اور قادیانی دونوں عقیدہ میں متفق ہیں بلکہ اہلحدیث، قادیانی فکر و نظر اور عقائد و خیالات کے ترجمان بھی ہیں۔ اس واقعہ کا اعتراف جماعتِ اہلحدیث کے مقتدر مصنف مولوی محمد ابراہیم سیالکوٹی نے بھی کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

''اس سے پیشتر اسی طرح کے اختلاط سے جماعت اہلحدیث کے کثیر تعداد میں لوگ قادیانی ہوگئے تھے جس کی مختصر کیفیت یہ ہے کہ ابتدا میں مولانا ابوسعید محمد حسین صاحب ...... بٹالوی نے مرزا غلام احمد قادیانی

سے ان کو الہامی مان کر موافقت کی اور ان کی تائید میں اپنے رسالہ اشاعت السنۃ میں زوردار مضامین بھی لکھتے رہے جس سے جماعت اہلحدیث کے معزز افراد مرزا صاحب کی بیعت میں داخل ہو گئے۔'' (اقتفال الجمہور، ص 23)

یہاں ایک بات ذہن میں آسکتی ہے کہ قادیانی جس نے نبوت کا دعویٰ کیا تھا، جس کو علمائے اسلام اور فقہائے امت نے کافر و مرتد کہا اس کے لیے غیر مقلدین اپنے دلوں میں کیوں نرم گوشہ رکھتے ہیں۔ ان کو جماعت مسلمین میں شمار کرتے ہیں۔ ان کی اقتدا میں نماز جائز بتاتے۔ مختصر یہ کہ اسے مومن و موحد تسلیم کرتے ہیں۔ اس کی وجہ کیا ہے؟ تو اس وجہ کو جاننے کے لیے کہیں دور جانے کے بجائے غیر مقلد عالم و مصنف ہی کی تصنیف دیکھی جائے وہاں اس کی تفصیل مل جائے گی۔

مولوی عنایت اللہ اثری غیر مقلد تحریر فرماتے ہیں:

''19 اگست 1962ء کو میں ظہر پڑھ کر مسٹر بدرالاسلام صاحب اسٹوڈنٹ بی ایس سی سال سوم کو بلوغ المرام پڑھا رہا تھا کہ دو مسافر تشریف لائے اور ظہر وعصر دونوں کو بصورت جمع پڑھا تو میں سمجھ گیا کہ یہ احمدی ہوں گے۔ چنانچہ فارغ ہوکر ایک صاحب نے فرمایا کہ میں ربوہ سے آپ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں...... انھوں نے باتوں باتوں میں یوں بھی فرمایا تھا کہ اہلحدیث احمدی ہوئے ہیں۔ میں نے کہا کہ مرزا صاحب تو حنفی تھے، فرمایا کہ نہیں وہ بھی اہلحدیث ہی تھے۔'' (العطر البلیغ، ص 156)

مذکورہ اقتباس کو آپ خود ہی بغور پڑھیے اور قادیانی و اہلحدیث کے اتحاد و اتفاق کا جائزہ لیجیے۔

اہلحدیث کسی امام کی تقلید نہیں کرتے۔ ان کے مذہب میں کسی بھی امام کی تقلید شرک ہے اور ان میں کا ہر فرد اپنے کو تقلید سے آزاد سمجھتا ہے۔ ان کے علما قرآن و حدیث سے براہِ راست مسائل کا استخراج کرتے ہیں۔ اگر چہ اس میں متعدد آیاتِ قرآنیہ، احادیث صحیحہ، آثارِ صحابہ، اقوالِ ائمہ اور اجماعِ امت کی مخالفت کرنی پڑے وہ سب کچھ کر گزرتے ہیں اور سب کی مخالفت ہی ان کے نزدیک اصل توحید و موحد ہونے کی علامت ہے۔ حالانکہ وہ یہ بھول جاتے ہیں کہ تقلید ایک ایسی چیز ہے جس سے کسی بھی صورت میں آج کا انسان اپنے کو جدا نہیں کرسکتا۔ اگر آپ خوش ہوکر ائمہ حقہ کی تقلید سے دست کش ہوتے ہیں تو یقین جانیے آپ کو اہل باطل کی تقلید شعوری یا غیر شعوری طور پر کرنی ہی ہوگی۔ اسی آزادی و ترکِ تقلید کا نتیجہ ہے کہ پوری امت مسلمہ نے جس سے کنارہ کشی کی اسی کی گود میں کھیلنے کو انھوں نے توحید پرستی کا نام دیا۔

یہاں قادیانی اور اہلحدیث کے درمیان رابطہ و تعلق کے سلسلے میں مزید کچھ جاننے سے قبل ہم ایک عظیم اولوالعزم پیغمبر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ذکر جمیل سے اپنے ذہن و فکر کے ساتھ ساتھ قرطاس و قلم کو مشرف کرنا چاہیں گے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے جلیل القدر پیغمبر اور اللہ تعالیٰ کی خلقت کے عظیم شاہکار ہیں۔ اللہ نے آپ کو بغیر باپ کے پیدا فرمایا اور آپ نے گہوارۂ مادر میں اپنی نبوت کا اعلان فرمایا نیز حضرت مریم علیہا السلام پر لگائے گئے الزام کا جواب دیا اور بداندیشوں کے خیالاتِ فاسدہ کی بیخ کنی فرمائی۔

آپ نے 29 یا 22 سال کی عمر تک قوم کو دعوتِ حق دی اور نبوت کے پیغام سے اسرائیلیوں میں انقلاب کی روح پھونکنے کی سعی جمیل فرمائی۔ آپ کے ساتھ بھی ایسا ہی ہوا جیسا کہ پچھلے انبیائے کرام کے ساتھ ہو چکا تھا۔ ماننے والوں کی تعداد بہت کم رہی جب کہ منکرین کی ایک دنیا آباد تھی، جو ہر لمحہ آمادۂ مخالفت رہتے اور آپ کی دعوت و پیغام کے خلاف تحریک کرتے۔ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تبلیغ ان کی ہزار مخالفت کے باوجود نہ رُک سکی تو انھوں نے آپ کو قتل کرنے کی سازش رچی اور انھیں سولی پر چڑھانے کا فیصلہ کرلیا۔ پھر اپنی ناپاک خواہشات کی تکمیل کے لیے اکٹھا ہوکر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو گھیرے میں لے لیا تو رب قدیر جل مجدہ نے اپنے اس عظیم رسول کو آسمان پر اُٹھا لیا۔

آیاتِ قرآنیہ و احادیثِ صحیحہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو آسمان پر زندہ اُٹھایا گیا۔ آپ پر موت طاری نہیں ہوئی۔ پھر قربِ قیامت میں آپ کا نزول ہوگا۔ آپ منشائے الٰہی کے مطابق تبلیغ کریں گے، پھر آپ کو موت آئے گی۔

بعض لوگوں کا خیال تھا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو سولی دے دی گئی تھی اور آپ انتقال کر چکے تو قرآن مقدس نے اس کی تردید فرمائی۔ پوری امتِ مسلمہ کا یہی عقیدہ ہے کہ آپ بغیر باپ کے پیدا ہوئے۔ آپ کو آسمان پر اُٹھا لیا گیا، پھر آپ قربِ قیامت تشریف لانے والے ہیں۔ مذکورہ باتوں کی تائید میں چند فرمودات پیش کیے جاتے ہیں۔ قرآنِ مقدس میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔ اختصار کے لیے صرف ترجمہ پیش ہے:

''اور کتاب میں مریم کو یاد کرو جب اپنے گھر والوں سے پورب کی طرف ایک جگہ الگ ہوگئی۔ تو ان سے ادھر پردہ کرلیا تو اس کی طرف ہم نے اپنا ایک روحانی (روح الامین) بھیجا تو وہ اس کے سامنے ایک تندرست آدمی کی شکل میں ظاہر ہوا۔ بولی میں تجھ سے رحمٰن کی پناہ مانگتی ہوں اگر تجھے

خدا کا ڈر ہے۔ بولا میں تیرے رب کا بھیجا ہوا ہوں کہ میں تجھے ایک ستھرا بیٹا دوں۔ بولی میرے لڑکا کہاں سے ہوگا۔ مجھے کسی آدمی نے ہاتھ نہ لگایا نہ میں بدکار ہوں۔ کہا یوں ہی ہے۔ تیرے رب نے فرمایا کہ یہ مجھے آسان ہے اور اس لیے کہ ہم اسے لوگوں کے واسطے نشانی کریں اور اپنی طرف سے ایک رحمت اور یہ کام ٹھہر چکا ہے۔"

حضرت علامہ نعیم الدین مرادآبادی رحمۃ اللہ علیہ اپنی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ: "پھر حضرت جبرئیل نے حضرت مریم کے گریبان یا آستین یا دامن یا منہ میں دم کیا وہ بقدرتِ الٰہی حاملہ ہوگئی۔ اس وقت ان کی عمر گیارہ یا دس سال تھی۔ قرآن شریف میں ہے: اب مریم نے اسے پیٹ میں لیا پھر اسے لیے ہوئے ایک دور جگہ چلی گئی۔ پھر اسے جننے کا درد ایک کھجور کی جڑ میں لے آیا (پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت ہوئی۔ اس کے بعد ان کو اپنی گود میں لے کر قوم کے پاس تشریف لائیں۔ (قرآن میں ہے) تو اسے گود میں لیے قوم کے پاس آئی۔ بولے اے مریم! بے شک تو نے بہت بری بات کی۔ اے ہارون کی بہن! تیرا باپ برا آدمی نہ تھا اور نہ تیری ماں بدکار۔ اس پر مریم نے بچے کی طرف اشارہ کیا۔ وہ بولے کیسے بات کریں اس سے جو پالنے میں بچہ ہے۔ بچہ نے فرمایا اللہ کا بندہ ہوں۔ اس نے مجھے کتاب دی اور مجھے غیب کی خبریں دینے والا نبی بنایا۔"

مذکورہ ارشاداتِ قرآنیہ میں صراحت کے ساتھ موجود ہے کہ حضرت مریم کنواری تھیں۔ ان کا شوہر نہیں تھا۔ اب آیئے قرآنِ مقدس میں دوسرے مقامات پر نظر ڈالیں:

"اور ہے یہ کہ انھوں نے نہ اسے (یعنی حضرت عیسیٰ کو) قتل کیا اور نہ اسے سولی دی۔ بلکہ ان کے لیے ان کی شبیہ کا ایک بنا دیا گیا (جسے انھوں نے سولی دی) (النساء، آیت 157)

دوسری جگہ ہے: "یاد کرو جب اللہ نے فرمایا اے عیسیٰ! میں تجھے پوری عمر تک پہنچاؤں گا اور تجھے اپنی طرف اُٹھالوں گا۔" (آل عمران، آیت 55)

حضرت امام جلال الدین سیوطی تفسیر جلالین میں فرماتے ہیں:

"اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام سے فرمایا میں تجھے اپنے پاس لے لوں گا اور دنیا سے بغیر موت دیے اُٹھالوں گا۔"

حضرت امام فخر الدین رازی تفسیر کبیر میں فرماتے ہیں:

"دلیل سے ثابت ہو چکا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام زندہ ہیں اور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیث آتی ہے کہ وہ عنقریب اُتریں گے اور دجال کو قتل کریں گے پھر اللہ تعالیٰ انھیں وفات دے گا۔"

حضرت امام قرطبی مفہم شرح صحیح مسلم میں فرماتے ہیں:

"صحیح یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انھیں زندہ بیدار اُٹھالیا نہ ان کا انتقال ہوا نہ اس وقت وہ سوئے تھے۔" (الصارم الربانی علی اسراف القادیانی، ص9)

اس کے علاوہ متعدد احادیث کریمہ سے ثابت ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام قربِ قیامت میں نزول فرمائیں گے اور دجال کو قتل کریں گے۔ اسلام کی تبلیغ فرما کر لوگوں کو حلقہ بگوشِ اسلام فرمائیں گے، پھر آپ کا انتقال ہوگا۔ بخاری شریف میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"کیسا حال ہوگا تمھارا جب تم میں ابن مریم نزول کریں گے اور تمھارا امام تمھیں میں سے ہوگا۔"

جامع ترمذی شریف میں ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

"قسم اس کی جس کے ہاتھوں میں میری جان ہے بیشک ضرور نزدیک آتا ہے ابن مریم تم میں حاکم عادل ہو کر اُتریں۔ پس صلیب کو توڑ دیں اور خنزیر کو قتل کریں اور خنزیر کو موقوف کر دیں اور مال کی کثرت ہوگی۔ یہاں تک کہ کوئی لینے والا نہ ملے گا۔ یہاں تک کہ ایک سجدہ تمام دنیا اور اس کی سب چیزوں سے بہتر ہوگا۔ یہ حدیث بیان کر کے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں تم چاہو تو اس کی تصدیق قرآن مجید میں دیکھ لو۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے عیسیٰ کی موت سے پہلے سب اہلِ کتاب ان پر ایمان لے آئیں گے۔"

اس طرح کی سینکڑوں احادیث کریمہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کو بیان کر رہی ہیں اور وضاحت کر رہی ہیں کہ حضرت عیسیٰ ابن مریم زندہ آسمان پر اُٹھا لیے گئے پھر جب قیامت قریب ہوگی تو ان کا نزول ہوگا۔ یہی عقیدہ قرآن وحدیث، آثار واقوال اور اجماعِ امت سے ثابت ہے، لیکن ان تمام دلائل وشواہد کے باوجود قادیانی اور اہلحدیث کا عقیدہ جداگانہ ہے۔

قادیانی کا عقیدہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا باپ تھا۔ حضرت مریم کی شادی یوسف نامی بڑھئی سے ہوئی تھی۔ عیسیٰ کا انتقال ہوگیا ہے، پھر ان کا دوبارہ نزول فرمانا ثابت نہیں وغیرہ۔

اسی سے ملتے جلتے عقائد اہلحدیث کے بھی ہیں۔ جماعت اہلحدیث کے مشہور مصنف مولوی عنایت اللہ اثری نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش سے متعلق ایک کتاب تصنیف فرمائی، جس کا نام انھوں نے 'عیون زمزم فی میلاد عیسیٰ ابن مریم' رکھا۔ اس میں انھوں نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ حضرت مریم کنواری نہیں تھیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا باپ تھا وغیرہ۔ گویا کہ انھوں نے قادیانی عقائد کی موافقت اور اسلامی عقائد کی

مخالفت کی۔ چنانچہ لکھتے ہیں:

''دوسرے (رسالہ) میں عیسیٰ علیہ السلام کے بے پدری پیدائش پر پوری پوری بحث وتمحیص ہےاور دلائل و براہین سے ثابت کیا ہے کہ موصوف (عیسیٰ علیہ السلام) کا باپ تھا اور وہ معلوم النسب وشریف النسب تھے۔ بے پدری کا خیال خطرناک خیال ہے۔'' (العطر البلیغ،ص175)

اپنی کتاب 'عیون زمزم' میں فرماتے ہیں: ''افسوس ہے کہ مریم بیچاری کے ساتھ بہت بڑاظلم ہوا کہ دوسروں کے لیےتو نکاح کے بعد بھی چھ ماہ تک کوئی کرامت قبول نہیں کی گئی اوراس مریم کے لیے نکاح کیے بغیر ہی خلافِ شرع کراماتاً بچہ پیدا کرلیا گیا کیا خوب ہے۔'' (عیون زمزم،ص19)

چند صفحات سیاہ کرنے کے بعد فرماتے ہیں: ''عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ ماجدہ تو اپنا شوہر اور اس کا باپ بتارہی ہیں اور باپ بیٹا بھی دونوں اسے تسلیم فرمارہے ہیں مگر صدیوں بعد لوگوں نے انھیں بے پدر بتایا اور آپ کی والدہ کو بےشوہر بتایا، کیا خوب ہے۔'' (عیون زمزم،ص40)

دونوں پیراگراف سے معلوم ہوا کہ اہلحدیث کا عقیدہ ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کا باپ تھا۔ حضرت مریم کنواری نہیں تھیں۔ گویا کہ قادیانی واہلحدیث دونوں ہی یکساں عقیدے کے پابند ہیں۔

جماعت اہلحدیث کے مشہور پیشوا محی الدین لکھوی صاحب سابق امیر جمعیۃ اہلحدیث اور معین الدین لکھوی صاحب سرپرست متحدہ جمعیت اہلحدیث دونوں کے دونوں اپنی جماعتوں میں درجۂ امامت پر فائز ہیں اور غیر مقلدین کے یہاں قدر کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں۔ لیکن ان دونوں کے عقائد قادیانیوں کے عقائد سے بالکل ہم آہنگ تھے اور یہ میرا خیال نہیں ہے بلکہ خود ان ہی کی جماعت کے قلمکاروں نے واشگاف کیا ہے۔

مشہور غیر مقلد عالم عبدالقادر حصاروی لکھتے ہیں:

''میری (عبدالقادر حصاروی کی) لاہوری جمعیت میں اس لیے شمولیت نہیں ہوسکتی ہے کہ اس کے لکھوی امیر صاحب کے عقائد میں مرزائیت سرایت کرگئی ہے۔ جس شخص کا عقیدہ یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام فوت ہوچکے ہیں۔ خروجِ دجال، ظہورِ مہدی نہیں ہوگا۔ یہ سب افسانے ہیں اور یہ عیسائی عقیدہ ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام دوبارہ دنیا میں آئیں گے۔ بخاری ومسلم میں جعلی وناقابلِ اعتبار حدیث ہیں۔ مولوی معین الدین لکھوی اور محی الدین لکھوی ایسے عقائد والے شخص کو کافر نہیں کہتے۔ اور مولوی محی الدین تو اس حد تک پہنچ گئے ہیں کہ مرزائیوں کو کافر نہیں کہتے۔''

(ہفت روزہ تنظیم اہلحدیث لاہور، ص16، 1974ء بحوالہ سابق)

بقیہ:—— اصلاحِ معاشرہ اورسماجی پاکیزگی....

آقائے نعمت صلی اللہ علیہ وسلم کے اجلاس میں ایک مرتبہ قبیلۂ عاصم کے ایک نوجوان کو پیش کیا گیا۔ اس پر یہ الزام تھا کہ اس نے ایک نیک آدمی کو فاسق کہا اور ماں کی گالی دی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجرم کو تین درّے مارنے کا حکم صادر کیا۔

رشوت لینے اور دینے کی سزا:

اسلامی شریعت میں رشوت لینا اور دینا دونوں حرام ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ رشوت لینے والا اور دینے والا دونوں حق و انصاف کے قاتل ہیں اور حقوق العباد کو پامال کردینے والے ہیں۔ اسلامی شریعت میں رشوت لینے والے اور دینے والے کے جرم ثابت ہونے پر چالیس درّے کی سزا مقرر ہے۔

قرآن مجید میں اللہ جل جلالہٗ وعم نوالہ اعلان فرماتا ہے: خواہ مرد چوری کرے یا عورت، دونوں کے داہنے ہاتھ کاٹ ڈالو۔

حضرت عبادہ ابن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ فتح مکہ کے بعد قبیلۂ بنومخزوم کی ایک عورت نے چوری کی اور چونکہ یہ قبیلہ اپنی بعض خصوصیات کی وجہ سے معزز ومحترم تھا اس لیے قریش کی یہ خواہش تھی کہ مجرمہ کو قطع ید (ہاتھ کاٹنے) کی سزا نہ دی جائے۔ اس مقصد کی تکمیل کے لیے رؤسائے قریش نے اسامہ ابن زید رضی اللہ عنہ کو جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے محبوب خادم تھے، مجرمہ کے حق میں سفارش کی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جب سفارشی الفاظ سنے تو فرطِ غضب سے آپ کا چہرہ تمتما اُٹھا اور رسولِ خدا نے فرمایا: یادرکھو تم سے پہلے بہت سی قومیں اس لیے ہلاک کی گئیں کہ جب ان میں سے کوئی بڑا آدمی چوری کرتا تھا تو اس کے ساتھ رعایت کی جاتی تھی اور جب کوئی غریب آدمی چوری کرتا تھا تو اسے دردناک عذاب دیا جاتا تھا۔ لیکن میں قسم کھاتا ہوں اس قدوسِ حق نواز کی جس کے قبضے میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی جان ہے کہ میری بیٹی فاطمہ رضی اللہ عنہا بھی چوری کرے گی تو اس کا بھی ہاتھ کاٹا جائے گا۔ اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عورت کا ہاتھ کاٹنے کا حکم فرمایا۔ راہزن کے متعلق حکم ہے کہ اگر راہزن گرفتار ہوجائے اور ڈاکہ کا جرم اس پر ثابت ہوجائے تو اس کا ایک طرف کا ہاتھ اور ایک طرف کا پیر کاٹا جائے اور اگر وہ ڈاکہ زنی کے ساتھ خوں ریزی بھی کرتا ہے تو اسے قتل کردیا جائے اور اس کی لاش کو لوگوں کی عبرت کے لیے کسی مقام پر لٹکایا جائے تاکہ عوام اس سے سبق لیں۔ ❑❑

حضرت امام حسن بن علی — حیات وخدمات

ابرار رضا مصباحی☆

نام و نسب:

اسم مبارک حسن، کنیت ابومحمد، خطاب ریحانۃ النبی، لقب شبیہِ رسول اور شجرۂ طیبہ یہ ہے: حسن بن علی بن ابوطالب بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبدمناف قرشی ہاشمی۔

وجہ تسمیہ:

حضرت علی بن ابوطالب رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ جب حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی ولادت باسعادت ہوئی تو رسولِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور فرمایا کہ مجھے میرے بیٹے کو دِکھاؤ۔ تم لوگوں نے ان کا کیا نام رکھا؟ تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! میں نے ان کا نام ’حرب‘ رکھا۔ آپ نے فرمایا: نہیں بلکہ وہ تو حسن ہے۔ چنانچہ اسی دن سے آپ کا نام حسن سے موسوم ہو گیا۔

ولادت باسعادت:

حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کی ولادت مدینہ منورہ میں نصف ماہ رمضان المبارک 3ہجری میں ہوئی اور ولادت کے ساتویں دن آپ کا عقیقہ عمل میں ہوا اور دو مینڈھوں کی قربانی کر کے سر کے بال (موئے مبارک) اُتارے گئے اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ آپ کے اترے ہوئے بالوں کے ہم وزن چاندی صدقہ کی جائے۔ آپ اہلِ کساء میں پانچویں شخصیت ہیں۔ یہ واضح رہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی چادر مبارک کے نیچے آنے والوں کی ترتیب کے اعتبار سے اہلِ کساء پانچ حضرات ہیں۔ سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا، حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ، حضرت امام حسن وحسین رضی اللہ عنہما۔

حضرت ام الفضل جو حضرت عباس کی زوجۂ محترمہ ہیں، نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں نے اپنے گھر میں آپ کے اعضائے مبارکہ میں سے ایک عضو خواب میں دیکھا ہے تو رسول اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو نے صحیح اور بہتر دیکھا ہے۔ حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا سے ایک لڑکا پیدا ہوگا تو تم اس کو دودھ پلاؤ گی۔ چنانچہ حضرت فاطمہ بنت رسول نے حضرت حسن کو جنا تو انھوں نے (ام الفضل) نے اس کے بیٹے (حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا) کو دودھ پلایا۔

اخلاق و عادات:

حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ انتہائی بردبار، حلیم الطبع، شریف النفس، عزت وشان والے، پروقار، صاحب جاہ وحشم تھے۔ آپ کے تحمل و برداشت کا اعتراف مروان نے بھی کیا تھا۔ چنانچہ جب حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کے جنازے میں مروان نے گریہ وزاری کی تو حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے اس سے کہا کہ اب تو روتا ہے اور آپ کی زندگی میں تو نے تو ان کے ساتھ کیا کچھ نہیں کیا اور کیا کچھ نہیں کہا۔ یہ سن کر مروان نے کہا کہ آپ کو معلوم ہے ایسا اس شخص کے ساتھ کرتا تھا جو اس پہاڑ (پہاڑی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے) سے بھی زیادہ سلیم و بردبار تھا۔

حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ خصائل حمیدہ کے جامع اور اخلاقِ فاضلہ کے پیکر تھے۔ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کا فرمانِ عالی ہے: مکارمِ اخلاق دس ہیں: زبان کی سچائی، جنگ کے وقت حملہ کی شدت، سائل کو دینا، حسن خلق، احسان کا بدلہ، صلہ رحمی، پڑوسی کی حفاظت وحمایت، حق دار کی حق شناسی، مہمان نوازی اور ان سے بڑھ کر شرم وحیا۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اکثر اخلاقی اصطلاحوں کی تشریح کے بارے میں آپ کی طرف رجوع فرماتے اور حکومت کے بارے میں مشورہ لیا کرتے تھے۔ آپ انتہائی نرم خو، بردبار، حلیم الطبع اور شریف النفس تھے۔ زہد وتقویٰ، قناعت وصبر، استغنا و بے نیازی، صلح پسندی وامن جوئی جیسی تمام صفاتِ کاملہ سے مزین وآراستہ تھے۔

جب مروان حاکم تھا تو وہ منبر پر علی الاعلان حضرت علی رضی اللہ عنہ کو سب وشتم کرتا تھا اور حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کمال ضبط کے ساتھ اس کی ان گستاخیوں کو سنا کرتے تھے اور خاموش رہا کرتے تھے۔ بڑے عابد وزاہد، تقویٰ شعار، دیندار، فیاض وسخی اور بلند اخلاق و کردار والے تھے۔ توکل و استغنا حد درجہ تھی۔ توکل علی اللہ اور بے نیازی کی دولت سے آپ مالا مال تھے۔ کسی شخص نے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ سے کہا کہ ابوذر کہتے ہیں کہ میں مفلسی کو تونگری سے اور بیماری کو تندرستی سے بہتر سمجھتا ہوں۔ یہ سن کر آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ابوذر پر رحم فرمائے۔ میں تو کہتا ہوں کہ میں خود کو بالکل اللہ تعالیٰ پر چھوڑتا ہوں۔ میں کسی ایسی بات کی منا ہی نہیں کرتا جو اس حالت کے خلاف ہو جو خداوند تعالیٰ میرے لیے اختیار کرتا ہو۔ آپ کے اسی توکل و استغنا نے سلطنت وحکومت کو ٹھکرا کر امت مسلمہ کو تباہی سے بچایا۔ آپ فتنہ و

☆ استاذ: الجامعۃ الاسلامیہ، جیت پور-II، بدر پور، نئی دہلی-110044

فساد اور خونریزی کو بہت زیادہ ناپسند کرتے تھے۔ آپ خلافت وامارت کے عظیم اور جلیل القدر منصب کو مسلمانوں کی تباہی وخوں ریزی سے بچنے کے لیے ہی ترک کیا ورنہ عراق میں تقریباً بیالیس ہزار کوفی جنھوں نے آپ کے دست اقدس پر بیعت کی تھی آپ کے ایک اشارہ پر سر کٹانے کے لیے تیار رہتے تھے۔ عراق تو عراق سارا عرب ہی آپ کے قبضہ میں تھا۔

یہی وجہ ہے کہ بعد مصالحت ایک مرتبہ بعض لوگوں نے آپ کو خلافت کی خواہش سے متہم کیا تو آپ نے فرمایا کہ عرب کے سر میرے قبضہ میں تھے، جس سے میں صلح کرتا، اس سے وہ بھی کرتے اور جس سے میں جنگ کرتا، اس سے وہ لڑتے، لیکن اس کے باوجود میں نے خلافت کو خاصۃ اللہ اور امت محمدیہ کی خوں ریزی سے بچنے کے لیے چھوڑ دیا۔

ایک مرتبہ ایک شخص حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے پاس اپنی کوئی ضرورت لے کر گیا۔ آپ حالت اعتکاف میں تھے اس لیے معذرت کردی۔ یہاں سے جواب پاکر حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کے پاس آیا، آپ بھی معتکف تھے، مگر اعتکاف سے نکل کر اس کی حاجت پوری کردی۔ لوگوں نے کہا حسین نے تو اس شخص سے اعتکاف کا عذر کیا تھا، خدا کی راہ میں کسی بھائی کی حاجت پوری کردینا میرے نزدیک ایک مہینہ کے اعتکاف سے بہتر ہے۔

تعلیم و تربیت:

حضرت پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے نواسۂ صالح حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ سے غیر معمولی طور پر شفقت ومحبت تھی۔ آپ نے بڑے ناز و نعم کے ساتھ ان کی تربیت و ہدایت فرمائی۔ کبھی آغوشِ شفقت میں لیے ہوئے نکلتے، کبھی دوشِ مبارک پر سوار کیے ہوئے برآمد ہوتے۔ ان کی ذرا ذرا سی تکلیف پر بے قرار وغمگین ہوجاتے، یہاں تک کہ ان کو دیکھنے کے لیے روزانہ حضرت فاطمۃ الزہرا خاتونِ جنت کے گھر تشریف لے جاتے تھے۔ آٹھ سال تک تو اپنے نانا کے دامن محبت اور بابرکت سایہ میں پرورش پائی اور پھر سر سے سایہ اُٹھ گیا اور پھر اس کے چھ ماہ بعد ہی اپنی والدۂ محترمہ خاتونِ جنت بنت رسول کی آغوشِ شفقت سے بھی محروم ہوگئے۔

اس کے بعد یکے بعد دیگرے خلفائے راشدین نے مسند خلافت کو زینت بخشی۔ سبھی آپ سے ذاتِ نبوی کے تعلق کی وجہ سے بڑی محبت فرماتے تھے۔ حضرت صدیق وعمر رضی اللہ عنہما نے حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کے ساتھ اپنے بچوں سے زیادہ شفقت ومحبت کا برتاؤ فرمایا۔

ایک دفعہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ عصر کی نماز پڑھ کے نکلے، حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی ساتھ تھے۔ راستہ میں حضرت حسن رضی اللہ عنہ کھیل رہے تھے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اٹھا کر کندھے پر بٹھالیا اور فرمانے لگے: قسم ہے یہ نبی کے مشابہ ہے۔ علی کے مشابہ نہیں ہے۔ حضرت علی یہ سن کر ہنسنے لگے۔

اسی طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی محبت آمیزی کا بھی برتاؤ اس سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے کہ جب حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے کبار صحابہ کے وظائف مقرر کیے تو گو حضرت حسن رضی اللہ عنہ اس وصف میں نہ آتے تھے، لیکن آپ کا بھی پانچ ہزار ماہانہ مقرر فرمایا۔

ایسے ہی جب حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا دورِ خلافت آیا تو آپ نے بھی بے حد شفقت ومحبت کا طرزِ عمل رکھا۔ دورِ صدیقی و فاروقی میں اپنی کمسنی کی وجہ سے کسی کام میں حصہ نہ لے سکتے تھے، لیکن حضرت عثمان کے زمانے میں پورے جوان ہوچکے تھے۔ چنانچہ اسی زمانہ سے ہی آپ کی عملی زندگی کا آغاز ہوتا ہے۔

فضائل و کمالات:

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی ذاتِ گرامی جامع کمالات اور مجمع فضائل تھی اور سب سے بڑھ کر یہ کہ آپ پیغمبر اسلام صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نواسۂ نیک نام ہیں اور اہل کساء میں پانچویں شخصیت ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے حسن اور حسین دونوں نام پوشیدہ رکھے تھے اور رسول اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ دونوں نام اپنے نواسوں کے لیے تجویز فرمائے۔

آپ اپنے نانا جان کے بہت زیادہ مشابہ تھے اور سوائے آپ کے کسی کی صورت وشکل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نہیں ملتی تھی۔ ایک مرتبہ رسول اقدس صلی اللہ علیہ وسلم آپ کو اپنے دوشِ مبارک پر اُٹھا کر فرمایا کہ الٰہی میں اس سے محبت کرتا ہوں، تو بھی اس سے محبت فرما۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ اہل بیت میں مجھ کو حسن وحسین سب سے زیادہ محبوب ہیں۔

حضرت ابن عمر روایت کرتے ہیں کہ رسول اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حسن وحسین میرے جنت کے دو پھول ہیں۔ حسن وحسین نوجوانانِ جنت کے سردار ہیں۔ اور ایک سب سے بڑی فضیلت یہ ہے کہ رسولِ گرامی وقار صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کے بارے میں پیشین گوئی فرمائی تھی کہ میرا یہ بیٹا سید ہے، خدا اس کے ذریعہ مسلمانوں کے دو بڑے گروہوں میں صلح کرائے گا۔ چناں چہ عملی طور پر حضرت امیر معاویہ سے صلح کے وقت حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے تصدیق وتوثیق فرمائی۔

معمولات:

حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ بڑے عابد وزاہد اور تقویٰ شعار و دیندار تھے۔ عبادتِ الٰہی آپ کا بہترین مشغلہ تھا اور اپنے وقت کا بڑا حصہ اس میں صرف فرماتے تھے۔ ایک مرتبہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ایک شخص

سے آپ کے حالات دریافت کیے۔اس نے بتایا کہ فجر کی نماز کے بعد سے طلوعِ آفتاب تک مصلیٰ پر بیٹھے رہتے ہیں، پھر ٹیک لگا کر بیٹھ جاتے ہیں اور آنے جانے والوں سے ملتے ہیں۔دن چڑھے چاشت پڑھ کر امہات المومنین کے پاس سلام کرنے کو جاتے ہیں، پھر گھر ہو کر مسجد چلے آتے ہیں۔مکہ کے زمانۂ قیام میں معمول تھا کہ عصر کی نماز خانۂ کعبہ میں باجماعت ادا کرتے تھے۔نماز کے بعد طواف میں مشغول ہو جاتے۔

ابوسعید راوی ہیں کہ حسن وحسین رضی اللہ عنہما نے امام کے ساتھ نماز پڑھی، پھر حجر اسود کو بوسہ دے کر طواف کے ساتھ پھیرے کیے اور دو رکعت نماز پڑھی۔لوگوں کو جب معلوم ہوا کہ دونوں خانوادۂ نبوی کے چشم و چراغ ہیں تو مشتاقانِ جمال چاروں طرف سے پروانہ وار ٹوٹ پڑے اور بھیڑ کی وجہ سے راستہ رُک گیا۔حضرت حسین اس ہجوم میں گھر گئے۔حضرت حسن نے ایک رکانی کی مدد سے انھیں ہجوم سے چھڑایا۔ایک تختی پر سورۂ کہف لکھوائی تھی، روزانہ سوتے وقت اسے تلاوت فرماتے اور بیویوں کے پاس ساتھ لے جاتے۔امام نووی لکھتے ہیں کہ امام حسن نے متعدد بار حج پا پیادہ کیے۔فرماتے تھے کہ مجھے خدا سے حجاب معلوم ہوتا ہے کہ اس سے ملوں اور اس کے گھر پا پیادہ نہ گیا ہوں۔

علمی خدمات:

حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ جامع العلم شخصیت حضرت علی رضی اللہ عنہ کے فرزند ارجمند تھے اور اسی گہوارۂ علم وادب میں آپ نے بڑی بہترین پرورش پائی۔علاوہ ازیں اپنے نانا جان حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے آغوشِ شفقت و برکت میں بھی تربیت پائی تھی، اس لیے آپ کو اپنے اسلاف کی علمی وراثت سے وافر حصہ ملا تھا اور تمام علوم وفنون کے بڑے جامع تھے۔

فقہ وافتا میں آپ کا پایہ بڑا بلند تھا۔فقہ میں درک وکمال کا یہ حال تھا کہ آپ مدینہ کے صاحبِ علم وافتا جماعت کے ایک اہم رکن تھے۔

خطابت میں آپ کو امتیازی کمال حاصل تھا۔طبیعت کی مناسبت سے آپ کے خطاب میں متانت وسنجیدگی اور پند ونصائح کے عناصر غالب رہتے تھے اور آپ حسب مواقع اجمالی و تفصیلی خطاب دیا کرتے تھے، جو بڑے دل پذیر اور مؤثر ہوا کرتے تھے اور ان میں زیادہ تر زور اصلاحِ عقائد، خدمت خلق اور امن وچین کو قائم کرنے کے بارے میں ہوتا تھا۔

حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کو عقیدہ کی درستی اور اس کی اصلاح کا خیال ہمیشہ رہا۔اس بارے میں آپ نہایت حکمت اور سختی سے کام لیتے تھے۔

شیعانِ علی رضی اللہ عنہ میں ایک جماعت کا عقیدہ تھا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عام انسانوں کی طرح وفات نہیں پائی اور وہ قیامت سے پہلے ہی زندہ ہو جائیں گے۔حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کو اس کی اطلاع ہوئی تو آپ نے فرمایا کہ یہ لوگ جھوٹے ہیں۔خدا کی قسم ایسے لوگ کبھی شیعہ نہیں ہو سکتے، اگر ہم کو یقین ہوتا کہ آپ عنقریب ظاہر ہوں گے تو نہ ان کی میراث تقسیم کرتے، نہ ان کی عورتوں کا عقد ثانی کرتے۔

حکمت و بصیرت:

حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ بڑے صاحبِ حکمت، دور اندیش، حالات شناس، معاملہ فہم اور صائب الرائے تھے اور بہت سے امور ومعاملات میں لوگ آپ کی طرف رجوع کرتے تھے۔حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی شہادت پاک کے بعد جب مسند خلافت خالی ہو گئی اور مسلمانوں کی نگاہِ انتخاب حضرت علی رضی اللہ عنہ پر پڑی اور انھوں نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کرانی چاہی تو حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ نے غایت عاقبت اندیشی اور مصلحت شناسی سے والد بزرگوار کو یہ مشورہ دیا کہ جب تک تمام ممالک اسلامیہ کے لوگ آپ سے خلافت کی درخواست نہ کریں، اس وقت تک آپ اسے قبول نہ فرمائیے، لیکن حضرت علی نے فرمایا کہ خلیفہ کا انتخاب صرف مہاجرین وانصار کا حق ہے۔جب وہ کسی کو خلیفہ تسلیم کر لیں تو پھر تمام ممالک اسلامیہ پر اس کی اطاعت واجب ہو جاتی ہے۔بیعت کے لیے تمام دنیا کے مسلمانوں کے مشورہ کی شرط نہیں ہے اور خلافت قبول کر لی۔

ایک مرتبہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے آپ سے پوچھا کہ حکومت میں ہم پر کیا فرائض ہیں۔آپ نے فرمایا جو سلیمان بن داؤد نے بتائے ہیں۔حضرت معاویہ نے فرمایا کیا بتائے ہیں۔آپ نے فرمایا کہ انھوں نے اپنے ساتھی سے کہا کہ تم کو معلوم ہے کہ بادشاہ پر ملک داری کے کیا فرائض ہیں جس سے اس کو نقصان نہ پہنچے۔ظاہر و باطن میں خدا کا خوف کرے، غصہ اور خوشی دونوں میں عدل وانصاف کرے، فقر اور دولت مندی دونوں حالتوں میں میانہ روی قائم رکھے۔زبردستی نہ کسی کا مال غصب کرے اور نہ اس کو بے جا صرف کرے۔جب تک وہ ان چیزوں پر عمل کرتا رہے گا اس وقت تک اس کو دُنیا میں کوئی نقصان نہیں پہنچ سکتا۔

اس قسم کے اور بہت سے حکمت آمیز اور بصیرت افروز واقعات ہیں جن میں حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کے ہر امور میں حکمت شناسی، دور اندیشی اور حالات فہمی کے جلوے نظر آتے ہیں۔

صدقات و خیرات:

صدقہ وخیرات اور فیاضی اور سیر چشمی آپ کا خاندانی وصف اور امتیاز تھا۔آپ جس سخاوت وفیاضی سے خدمت خلق اور راہِ خدا میں اپنی دولت اور مال ومتاع لٹاتے تھے، اس کی زرّیں مثالیں بہت کم ملیں گی۔آپ کی سخاوت

عام وخاص سب کی زبان پر تھی۔آپ نے تین مرتبہ اپنے اکل حلال کا آدھا حصہ خدا کی راہ میں دے دیا اور تنصیف میں اتنی شدت کی کہ دو جوتوں میں سے ایک جوتہ بھی خیرات کر دیا۔آپ اس انداز سے سخاوت فرمایا کرتے تھے کہ دوست و دشمن سب کو آپ پر فخر تھا اور یکساں طور پر یہ لوگ بھی فائدہ اُٹھاتے تھے۔

ایک مرتبہ ایک شخص مدینہ آیا۔یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا دشمن تھا۔اس کے پاس زادِ راہ اور سواری نہ تھی اس لیے مدینہ والوں سے سوال کیا۔کسی نے کہا یہاں حسن رضی اللہ عنہ سے بڑھ کر کوئی فیاض نہیں،ان کے پاس جاؤ۔ چناں چہ وہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔آپ نے سواری اور زادِ راہ دونوں کا انتظام کر دیا۔لوگوں نے اعتراض کیا کہ آپ نے ایک ایسے دشمن شخص کے ساتھ کیوں حسن سلوک کیا جو آپ اور آپ کے والد بزرگوار دونوں سے بغض رکھتا ہے۔آپ نے فرمایا کہ کیا اپنی آبرو نہ بچاؤں؟ لیکن آپ کی دولت سے وہی لوگ فائدہ اٹھاتے تھے جو درحقیقت اس کے مستحق ہوتے۔ایک مرتبہ آپ نے ایک بڑی رقم فقرا اور مساکین کے لیے جمع کی۔حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس کی تقسیم کا اعلان کر دیا۔لوگ سمجھے کہ یہ صلائے عام ہے اس لیے جوق در جوق جمع ہونے لگے۔آدمیوں کی یہ بھیڑ دیکھ کر حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے اعلان فرما دیا کہ یہ رقم صرف فقرا و مساکین کے لیے ہے۔اس اعلان پر تقریباً آدھے آدمی چھٹ گئے اور سب سے پہلے اشعث بن قیس نے حصہ پایا۔

خلافت:

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے مقبوضہ علاقہ کے علاوہ باقی سارے ممالک کی نظریں حضرت امام حسن بن علی رضی اللہ عنہما کی طرف مرکوز ہو گئی تھیں۔چوں کہ آپ اوصاف و کمالات اور افکار و خیالات کے اعتبار سے سب پر فائق وممتاز تھے۔چناں چہ والد بزرگوار کی تدفین و تجہیز سے فراغت حاصل کرنے کے بعد آپ جامع مسجد تشریف لائے۔مسلمانوں نے بیعت کے لیے ہاتھ بڑھائے۔آپ نے ان سے بیعت لی اور بیعت کے بعد ایک بڑی رقت انگیز تقریر ارشاد فرمانے کے بعد مسند خلافت پر متمکن ہوئے اور کچھ ناخوشگوار ماحول اور حالات کی نامساعدت کی وجہ سے خلافت سے دستبردار ہو گئے۔تفویض خلافت کا یہ واقعہ ماہ ربیع الاول 41 ہجری میں پیش آیا۔اس طرح خلافت کے پورے تیس سال مکمل ہونے اور سرکار علیہ السلام کے اس ارشاد پاک کی تکمیل ہوئی:

''میرے بعد خلافت تیس سال رہے گی پھر بادشاہت قائم ہو جائے گی۔''

تفویض خلافت کے بعد حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ اپنے اہل وعیال اور خانوادہ کے ساتھ کوفہ سے مدینہ منورہ تشریف لائے اور جوارِ رسول میں اقامت گزیں ہو گئے اور تمام معاملات سے کنارہ کش ہو کر تمام اوقات ذکر الٰہی اور فکر آخرت میں بسر کرنے لگے۔

اولاد:

حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے آٹھ لڑکے اور دو لڑکیاں ہوئیں جو درج ذیل ہیں: حسن،زید،عمر،قاسم،ابوبکر،عبدالرحمٰن،طلحہ،عبیداللہ،ام حسن،ام اسحاق۔

وصال پُر ملال:

حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کی شہادت زہر خورانی سے 5 ربیع الاول 50 ہجری کو مدینہ شریف میں واقع ہوئی اور بوقت وفات آپ کی عمر شریف 47 یا 48 سال تھی۔ وصیت کے مطابق جب روضۂ انور میں تدریف کے بارے میں اختلاف واقع ہوا تو آپ کو جنت البقیع شریف میں سپر دِ خاک کیا گیا اور آپ کی نمازِ جنازہ حضرت سعید بن العاص رضی اللہ عنہ (جو مدینہ منورہ کے امیر تھے) نے پڑھائی۔□□

کتابیات:

(1) تاریخ الخلفا،علامہ جلال الدین سیوطی

(2) تاریخ اسلام،اول،شاہ معین الدین ندوی

(3) خلفائے راشدین،ڈاکٹر عاصم اعظمی

(4) سیر الصحابہ،شاہ معین الدین ندوی

سبق آموز

اسلامی تاریخ کے جھروکوں سے

عمران حمید اشرفی

زندہ رہنے کی ضمانت:

حجاج بن یوسف کے سفرِ حج کے دوران سعید بن ابی عروبہ اس کے ہمراہ تھے۔ دورانِ سفر ایک مقام پر پانی کا چشمہ نظر آیا۔ حجاج بن یوسف تھکان اتارنے اور ستانے کی غرض سے یہاں ٹھہر گیا اور اپنے دربان سے گویا ہوا کہ قریبی بستی سے کسی شخص کو لے آؤ، جس سے ہم باتیں کریں گے اور اس کے ساتھ کھانا بھی کھالیا جائے۔ اسے قریب ہی ایک اعرابی نظر آیا، جو درخت کے نیچے سویا ہوا تھا۔ دربان نے پاؤں کی ٹھوکر سے اسے نیند سے بیدار کیا اور حجاج کے پاس لے آیا۔ حجاج نے اس اعرابی سے تحکمانہ انداز میں کہا کہ جاؤ، ہاتھ دھوکر آؤ اور میرے ساتھ کھانا کھاؤ۔ اعرابی نے جواب دیا کہ تم سے بڑی ہستی نے مجھے دعوت دی ہوئی ہے اور اس دعوت کو قبول بھی کر چکا ہوں۔ حجاج بن یوسف کی حیرانگی قابلِ دید تھی، تعجب سے پوچھا ''کس نے تمھیں دعوت دے رکھی ہے؟

اعرابی نے کہا، ''میرے اللہ نے مجھے روزہ رکھنے کی دعوت دی تھی اور میں روزہ رکھے ہوئے ہوں۔'' حجاج مزید حیران ہوا اور اس سے استفسار کیا ''اس قدر گرمی میں؟'' اعرابی نے کہا ''یہ گرمی تو کم ہے، اس سے زیادہ گرمی میں بھی روزے رکھ چکا ہوں۔'' حجاج بن یوسف نے گفتگو جاری رکھتے ہوئے کہا۔ ''آج ہمارے ساتھ کھانا کھالو، روزہ کل رکھ لینا۔'' اعرابی نے کہا ''ٹھیک ہے، اگر آپ کل تک زندہ رہنے کی ضمانت دے دیں تو میں آپ کے ساتھ کھانا کھالیتا ہوں۔'' حجاج نے کہا ''یہ بات تو میرے اختیار میں نہیں ہے۔'' اعرابی نے جواب میں کہا ''تو پھر مجھ سے آپ نقد کے بدلے ایسے اُدھار کا مطالبہ کیوں کرتے ہیں، جو آپ کی دسترس میں نہیں۔''

(عیون الاخبار)

علم کی پزیرائی

مشہور بزرگ ہشیم بن بشیر کے والد باورچی تھے، ان کا تعلق بخارا سے تھا، لیکن بغداد کو مسکن بنالیا۔ ہشیم کو بچپن ہی سے علم حاصل کرنے کا شوق تھا، جبکہ والدین یہ چاہتے تھے کہ ہشیم بھی آبائی پیشہ اختیار کرتے ہوئے باورچی بن جائے اور ان کا ہاتھ بٹائے، لیکن آپ علم حاصل کرنے کی جانب متوجہ رہے۔ 'قاضی ابوشیبہ' کا درسِ حدیث بغداد میں بڑی شہرت رکھتا تھا۔ ہشیم ان کی علمی مجلس میں شریک ہونے لگے اور پابندی سے علم حدیث حاصل کرنے لگے۔ ایک موقع پر ہشیم بن بشیر بیمار ہوگئے۔ درس میں بیٹھنے کا تسلسل قائم نہ رہا۔ قاضی ابوشیبہ کو تشویش لاحق ہوئی، استفسار پر ایک شاگرد نے بتایا کہ ہشیم بیمار ہیں۔ قاضی ابوشیبہ نے قصد کیا کہ ہشیم کی عیادت کر آتے ہیں۔ اہلِ مجلس اور شاگرد بھی ساتھ ہو لیے اور ہشیم کی عیادت ان کے گھر جا کر کی۔ اس واقعے سے بشیر باورچی بہت متاثر ہوئے اور اپنے بیٹے سے کہا ''بیٹا میں تمھیں علمِ حدیث حاصل کرنے سے روکتا تھا، لیکن یہ علم کا فیضان ہی تو ہے کہ ایک باورچی کے دروازے پر قاضی خود چل کر آیا، میں اب تمھیں علم حاصل کرنے سے کبھی نہیں روکوں گا۔'' (تاریخ بغداد)

حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کی وصیت

مشہور بادشاہ سلطان التمش کے زمانے میں حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی نے رحلت فرمائی۔ وفات سے قبل آپ نے چند وصیتیں فرمائیں۔ نمازِ جنازہ ایسا شخص پڑھائے، جو ہمیشہ عفیف رہا ہو۔ نمازِ عصر کی سنتیں اس سے کبھی قضا نہ ہوئی ہوں۔ ہمیشہ باجماعت نمازیں پڑھی ہوں اور تکبیرِ اولیٰ میں شریک رہا ہو۔ نمازِ جنازہ میں بادشاہِ وقت بھی شریک تھا۔ وصیت کا اعلان ہوا۔ صفوں میں سکوت طاری ہوگیا۔ بادشاہ انتظار کرتا رہا کہ کوئی بزرگ یہ سعادت حاصل کرلے۔ جب انتظار طویل ہوا تو یہ کہتا ہوا آگے بڑھا ''میری خواہش تھی کہ کوئی میرے حال سے واقف نہ ہو، خواجہ کا حکم کیسے ٹالوں، مشیتِ ایزدی یہی ہے'' یہ کہا اور آگے بڑھ کر نمازِ جنازہ پڑھائی۔

سعادت کی زندگی شہادت کی موت:

حضرت عبداللہ بن عباس سے کسی نے پوچھا کہ حضرت عثمان کی انگوٹھی پر کیا عبارت نقش تھی؟ انھوں نے فرمایا کہ حضرت عثمان نے پورے صدق نیت سے اپنی انگوٹھی پر یہ جملہ نقش کرایا تھا، (ترجمہ) ''اے اللہ! مجھے سعادت کی زندگی اور شہادت کی موت عطا فرما۔'' پھر ابنِ عباس نے فرمایا: ''خدا کی قسم! انھیں سعادت کی زندگی بھی ملی اور شہادت کی موت بھی۔''

بادشاہی میں فقیری:

سلطان ناصرالدین محمود کے بارے میں 'منتخب التواریخ' میں لکھا ہے

کہ ہندوستان کا یہ بادشاہ درویشانہ زندگی بسر کرتا تھا۔ اس کی آمدنی کا ذریعہ صرف اور صرف قرآن کریم کی کتابت تھا۔ وہ سال میں دو قرآن کریم کی کتابت کرتا اور ان ہی کے ہدیے سے اپنے گھر کے مصارف پورے کرتا۔ اس کی کوشش یہی رہتی کہ بازار میں بھی کسی کو یہ معلوم نہ ہونے پائے کہ یہ بادشاہ وقت کا کتابت شدہ ہے۔ ایسی صورت میں معلوم ہونے پر لوگ اسے زیادہ قیمت پر خریدیں گے۔ یہی بادشاہ اس درجہ محتاط اور پاک طینت تھا کہ ایک پیسہ بھی بیت المال سے وصول نہیں کرتا تھا، کتابت اس کا ذریعۂ معاش تھا، گھر کے تمام اُمور اس کی بیوی اپنے ہاتھ سے انجام دیتی تھی۔ ایک روز بیوی نے عرض کیا کہ روٹی پکانے اور چولہے کے آگے بیٹھنے سے میرے ہاتھ جل جاتے ہیں، اگر خزانۂ شاہی سے ایک نوکرانی کا انتظام کردیا جائے تو امور خانہ داری بآسانی انجام پاسکیں گے، سلطان نے جواب میں فرمایا: بیت المال بندگانِ خدا کا حق ہے، یہ میری ملکیت نہیں، اس محنت پر چند روز صبر کرو، اللہ تعالیٰ قیامت کے روز اس مشقت کے بدلے تمھاری خدمت کے لیے حور عطا فرمائے گا۔

مولائے اسلام دیبلی راجہ داہر کے دربار میں:

محمد بن قاسم ۹۳ھ میں سندھ آئے اور ان سے ملاقات کرتے ہی بعض لوگ حلقۂ اسلام میں داخل ہوگئے، ان میں سے ایک صاحب مولائے اسلام تھے، جنھیں تاریخ میں مولائے اسلامی، مولائے دیبلی اور مولائے اسلام دیبلی کے مختلف ناموں سے یاد کیا جاتا ہے، یہ محمد بن قاسم کے ہاتھ پر مسلمان ہوئے نہایت ذہین اور سمجھ دار تھے، معلوم ہوتا ہے کہ یہ پہلے سے پڑھے لکھے تھے، راجہ داہر کے سرکاری حلقوں میں معروف تھے، انھوں نے اسلامی تعلیم بہت جلد حاصل کرلی، جس کی وجہ سے محمد بن قاسم کے نزدیک بھی قابلِ اعتماد سمجھے جانے لگے۔ عربی زبان پر بھی انھوں نے بہت تھوڑے عرصے میں عبور حاصل کرلیا، چچ نامہ کی روایت کے مطابق جب محمد قاسم نے وادیٔ سندھ میں قدم رکھا اور حالات کا جائزہ لیا تو اپنے ایک شامی مشیر کو قاصد کی حیثیت سے راجہ داہر کے پاس بھیجا اور ترجمان کے طور پر مولائے اسلام کو ان کے ساتھ روانہ کیا۔ یہ راجہ داہر کے پاس پہنچے تو مروجہ درباری آداب بجالائے بغیر اور راجہ کو سر جھکا کر سلام کیے بغیر بیٹھ گئے، راجہ داہر، مولائے اسلام کو جانتا تھا، لیکن اسے یہ معلوم نہ تھا کہ وہ مسلمان ہوچکے ہیں، چنانچہ اس نے سلام و کورنش کے تقاضے پورے نہ کرنے کی وضاحت طلب کرتے ہوئے پوچھا۔ تم نے درباری قواعد و آداب کیوں پورے نہیں کیے؟ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تمھیں کسی نے اس سے زبردستی روک دیا ہے۔ مولائے اسلام نے جواب دیا میں اس وقت تمھارے مذہب میں داخل تھا، لہٰذا اور باری نوعیت کے آداب نیاز و بندگی پر عمل کرنا مجھ پر واجب تھا، لیکن اب میں اسلام کی عزت حاصل کرچکا ہوں اور میرا تعلق بادشاہ اسلام سے قائم ہوچکا ہے، اب کسی کافر کے آگے سر جھکانا میرے لیے ضروری نہیں۔ راجہ داہر کو اس جواب کی توقع نہ تھی، وہ غضب ناک ہوکر بولا۔ اگر تو قاصد نہ ہوتا تو میں تجھے اتنی سزا دیتا کہ لوگ تجھے موت کے گھاٹ اُتار دیتے۔ مولائے اسلام نے اطمینان سے جواب دیا۔ اگر تو مجھے قتل بھی کرادے تو اس سے عربوں کو کوئی نقصان نہ پہنچے گا۔ میرے خون کا انتقام لینے والے موجود ہیں، جن کا ہاتھ تیرے دامن تک ہر حال میں پہنچ کر رہے گا۔

بچانے والا اللہ ہے:

امام رازی نے 'رب العالمین' کی تفسیر کرتے ہوئے حضرت ذوالنون مصری کا واقعہ نقل کیا ہے کہ ایک دن وہ کپڑے دھونے کے لیے دریائے نیل کے کنارے تشریف لے گئے، یکایک انھیں ایک بچھو دکھائی دیا جو ساحل کی طرف جارہا تھا۔ جب وہ کنارے پر پہنچا تو پانی میں سے ایک کچھوا نکلا اور سطح پر تیرنے لگا، بچھو نے جب اسے دیکھا تو وہ کود کر اس کی پشت پر سوار ہوگیا، کچھوا اسے لے کر دوسرے کنارے کی طرف چلا۔ حضرت ذوالنون مصری فرماتے ہیں کہ میں تہبند باندھ کر دریا میں اُتر گیا اور ان دونوں کو دیکھتا رہا، یہاں تک کہ وہ دریا کے اس پار پہنچ گئے، یہاں پہنچ کر بچھو کچھوے کی پیٹھ پر سے اُترا اور خشکی پر چڑھ گیا، میں بھی دریا سے نکل کر اس کے پیچھے ہولیا (غالباً ذوالنون تیرا کی جانتے تھے جب ہی وہ دریا عبور کرسکے) یہاں تک کہ میں نے دیکھا کہ گھنے درخت کی چھاؤں میں ایک لڑکا گہری نیند سو رہا ہے، میں نے دل میں کہا کہ یہ بچھو دوسری طرف سے اس نوجوان کو کاٹنے آیا ہے، ابھی میں یہ سوچ ہی رہا تھا کہ اچانک مجھے ایک زہریلا سانپ دکھائی دیا، جو پھن اٹھا کر لڑکے کی طرف بڑھ رہا تھا، لیکن ابھی وہ لڑکے کے پاس پہنچا ہی تھا کہ بچھو آگے بڑھا اور سانپ کے سر سے چمٹ کر بیٹھ گیا، یہاں تک کہ تھوڑی دیر میں سانپ مرگیا اور بچھو واپس کنارے کی طرف لوٹا وہاں کچھوا اس کا منتظر تھا، اس کی پیٹھ پر سوار ہوکر دوبارہ اس پار جا پہنچا، میں یہ منظر دیکھ کر اللہ کی حفاظت کے اس منظر کو اشعار میں گنگنانے لگا، میری گنگنانے کی آواز پر نوجوان جاگ اٹھا، میں نے اسے تمام واقعہ سنایا۔ اس پر اس واقعے کا اتنا اثر ہوا کہ اس نے گناہوں سے آلودہ زندگی سے توبہ کرلی۔ □□

مکالمہ بین المذاہب

سید جلال الدین عمری☆

آج کل 'مذاہب کے درمیان 'مکالمہ' (Dialougue) کی خاص چرچا ہے۔ اس کا مقصد یہ بیان کیا جاتا ہے کہ مذاہب کے درمیان قربت بڑھے، غلط فہمیوں کا ازالہ ہو، ان کے درمیان جو اختلافات ہیں وہ دور ہوں اور وہ ایک دوسرے سے قریب آئیں۔ اس سلسلے میں مذاہب کے ماننے والوں کے درمیان تبادلۂ خیال ہو رہا ہے، مذاکرے اور سیمینار ہو رہے ہیں اور بھی مختلف سطحوں سے کوشش ہو رہی ہے۔ اس تگ و دو کے پیچھے جو ذہن کارفرما ہے وہ یہ ہے کہ مذاہب کے درمیان اختلافات حقیقی نہیں ہیں، سب کی اصل ایک ہے، سب روح کی تسکین اور اپنے خالق و معبود کی رضا چاہتے ہیں، انسانوں کی بھلائی اور خیر خواہی ان میں سے ہر ایک کے پیشِ نظر ہے، ظلم و زیادتی اور جبر و تشدد کو سب ہی غلط باور کرتے ہیں اور ہر ایک کے ساتھ عدل و انصاف کا رویہ اختیار کرنا چاہتے ہیں، ان کے درمیان بناء اختلاف کم ہے اور اتحاد کی بنیادیں زیادہ ہیں۔ یہ بات جب بڑھتی ہے تو وحدتِ ادیان کے تصور تک پہنچتی ہے کہ منزل سب کی ایک ہے، البتہ راہیں جدا ہیں، اسی کی تبلیغ و اشاعت کے لیے یہ کوششیں ہو رہی ہیں۔ یہ ایک مہمل اور بے بنیاد تصور ہے۔ جو لوگ وحدتِ ادیان کی بات کرتے ہیں وہ ان کی بنیادی تعلیمات سے صرفِ نظر کر رہے ہیں۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ مذاہب کے درمیان اختلافات ہیں اور بنیادی اختلافات ہیں، اس لیے ان کو ایک زمرے میں نہیں رکھا جا سکتا۔ یہ فرق اسلام اور دوسرے مذاہب کے مطالعہ سے سمجھا جا سکتا ہے۔

اس معاملہ میں اسلام کا موقف یہ ہے کہ وہی ہمیشہ اللہ کا دین رہا ہے، اسی کی تعلیم ہر دور میں ہر پیغمبر نے دی، لیکن ان کی تعلیم اصل شکل میں باقی نہیں رہی، زمانہ گزرنے کے ساتھ ان میں تحریف ہوتی چلی گئی۔ اللہ کا یہی دین محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر آخری بار نازل ہوا۔ آپ سلسلۂ رسالت کی آخری کڑی ہیں، آپ پر جو کتاب نازل ہوئی وہ قرآن مجید ہے اور وہ پوری طرح محفوظ ہے۔ آپ کی سیرت اور قول و عمل سے اس کی تشریح ہوتی ہے، اب دنیا و آخرت کی فوز و فلاح اسی کتاب سے وابستہ ہے، اس کا کوئی دوسرا راستہ نہیں ہے۔ یہ باتیں قرآن مجید میں بڑی وضاحت کے ساتھ کہی گئی ہیں۔ ارشاد ہے:

قُلْ يٰاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّىْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا. (الاعراف:158)

(اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم) کہہ دو اے لوگو! بے شک میں تم سب کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں۔

ایک اور جگہ فرمایا: وَمَا اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَافَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّ نَذِيْرًا وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ. (سبا:28)

ہم نے تو آپ کو تمام لوگوں کے لیے 'بشیر و نذیر' بنا کر بھیجا ہے لیکن اکثر لوگ جانتے نہیں ہیں۔

محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری رسول اور خاتم النّبیین ہونے کا اعلان ان الفاظ میں کیا گیا:

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَ خَاتَمَ النَّبِيّٖنَ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا. (الاحزاب:40)

محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تمھارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں، لیکن اللہ کے رسول ہیں اور 'خاتم النّبیین' ہیں اور اللہ ہر چیز کا جاننے والا ہے۔

دنیا کے تمام انسانوں کو آپ پر ایمان لانے کی دعوت دی گئی اور کہا گیا کہ اسی میں 'خیر' ہے۔ کفر کا راستہ اختیار کر کے انسان اللہ کو نقصان نہیں پہنچا سکتا، خود ہی نقصان میں رہے گا:

يٰاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمُ الرَّسُوْلُ بِالْحَقِّ مِنْ رَّبِّكُمْ فَاٰمِنُوْا خَيْرًا لَّكُمْ وَاِنْ تَكْفُرُوْا فَاِنَّ لِلّٰهِ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا. (النساء:170)

اے لوگو! تمھارے پاس رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) تمھارے رب کی طرف سے حق لے کر آ گیا ہے۔ پس تم (اس پر) ایمان لے آؤ، اسی میں تمھارے لیے خیر ہے لیکن اگر کفر کرو گے تو (یاد رکھو) کہ جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے وہ سب اللہ ہی کا ہے اور اللہ جاننے والا اور حکمت والا ہے۔

مذہب کے اساسی عقائد کا انسان کی پوری زندگی پر اثر پڑتا ہے۔ اس سے پورا نظامِ عمل اور طریقۂ حیات وجود میں آتا ہے۔ ہر مذہب کی عبادات اس کے عقیدے کی تابع ہوتی ہیں۔ عقیدے کی بنیاد پر تہذیب و معاشرت وجود میں آتی ہے۔ اسی کے تحت شادی بیاہ، پیدائش اور موت تک کے رسوم انجام پاتے ہیں۔ کاروبار اور لین دین کے طریقے اور مختلف افراد اور

☆ صدر ادارہ تحقیقاتِ اسلامی، علی گڑھ (یوپی)

طبقات کے حقوق و فرائض طے ہوتے ہیں۔ اسی طرح مذہب عقیدہ کے ساتھ اس سے ہم آہنگ اخلاقیات اور قانون بھی رکھتا ہے۔ اسے اس کا 'نظام شریعت' کہا جا سکتا ہے۔ اسی سے اس کی انفرادیت قائم ہوتی ہے اور وہ پہچانا جاتا ہے۔

قرآن مجید کا بیان ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولوں کو اصولِ دین کے ساتھ حسبِ حال اور حسبِ ضرورت شریعت اور قانون بھی دیا تھا۔ اس نے مختلف مواقع پر توریت اور انجیل کے بعض قوانین کا ذکر بھی کیا ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو دیے گئے تھے اور جن کی پابندی کا ان سے عہد لیا گیا تھا۔ اس نے بعض دوسرے پیغمبروں کی شریعتوں کا بھی حوالہ دیا ہے۔ یہ شریعتیں اپنے وقت اور ماحول کے لیے تھیں۔ آخری رسول اور آخری شریعت کے آنے کے بعد وہ منسوخ ہو گئیں۔ مذاہب کے ماننے والوں کو وہ نجی زندگی میں اپنی شریعت پر عمل کی اجازت دیتا ہے، لیکن اپنے دائرۂ اختیار میں آخری شریعت کو نافذ کرتا ہے:

ثُمَّ جَعَلْنٰکَ عَلٰی شَرِیْعَةٍ مِّنَ الْاَمْرِ فَاتَّبِعْهَا وَلَا تَتَّبِعِ اَهْوَآءَ الَّذِیْنَ لَا یَعْلَمُوْنَ (الجاثیہ:18)

ہم نے آپ کو دین کے معاملہ میں ایک شریعت دے دی۔ اب آپ اس کی اتباع کریں اور ان لوگوں کی خواہشات کے پیچھے نہ چلیں جو جانتے نہیں ہیں۔

جدالِ احسن:

مذاکرہ یا مباحثہ دو مقاصد کے تحت ہوتا ہے۔ ایک مقصد ہے حق و صداقت کی تلاش، بحث و تمحیص کے ذریعہ 'حق' کو جاننے کی کوشش۔ دوسرا مقصد یہ ہے کہ نظریات اور عقائد کی صحت و عدم صحت سے بحث نہ کی جائے، بلکہ یہ دیکھا جائے کہ وہ کون سی مشترک اقدار ہیں جن پر سب کو اتفاق ہو سکتا ہے۔ اسلام اس مجادلہ کا قائل نہیں ہے۔ وہ ایک دعوت ہے اور بحث و مباحثہ کے ذریعہ اس کی حقانیت واضح کرنا چاہتا ہے۔

قرآن مجید کا براہِ راست خطاب مشرکینِ عرب اور اہلِ کتاب سے تھا۔ سورۂ نحل میں مشرکینِ عرب کے سیاق میں حکم دیا گیا:

اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ بِالْحِکْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ اِنَّ رَبَّکَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِیْلِهٖ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِیْنَ. (النحل:125)

آپ اپنے رب کے راستے کی طرف حکمت اور اچھی نصیحت کے ذریعہ بلائیے اور ان کے ساتھ اچھے طریقے سے بحث کیجیے۔ آپ کا رب خوب جانتا ہے کہ کون اس کے راستہ سے بھٹک گیا ہے اور وہ ہدایت پانے والوں کو اچھی طرح جانتا ہے۔

اس آیت میں صاف الفاظ میں اللہ کے راستے کی طرف بلانے یا یوں کہا جا سکتا ہے کہ اسلام کی دعوت کا حکم ہے۔ اس کے لیے 'حکمت' اور 'موعظت حسنہ' کے ساتھ 'جدال احسن' کا طریقہ تجویز کیا گیا ہے۔ 'حکمت' یہ ہے کہ عقلی دلائل کے ذریعہ اللہ کے دین کی دعوت دی جائے 'موعظہ حسنہ' میں تذکیر اور وعظ و نصیحت کا پہلو ہے۔ 'جدال بہ طریق احسن' یہ ہے کہ بہتر طریقہ سے گفتگو ہو، شکوک و شبہات رفع کیے جائیں اور اس کے موقف کو بہتر طریقہ سے سمجھا جائے۔

مشرکینِ عرب سے اسلام کا اختلاف بنیادی عقائد میں تھا۔ اسلام توحید کا علمبردار ہے۔ کائنات اور انسان کے بارے میں اس کا نقطۂ نظر اسی عقیدۂ توحید سے نکلتا ہے۔ مشرکینِ عرب کے ہاں خدا کا تصور تھا، لیکن وہ آلودۂ شرک تھا۔ وہ اسلام کے تصور توحید کو قبول کرنے کے لیے تیار نہ تھے۔ اسلام وحی و رسالت کا قائل ہے، مشرکین کے لیے یہ تصور اجنبی سا ہو کر رہ گیا تھا، وہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کو ماننے کے لیے آمادہ نہ تھے۔ اسلام کا ایک بنیادی عقیدہ آخرت اور جزائے عمل کا ہے، لیکن وہ حیات بعد الموت کو کسی طرح قبول نہیں کر رہے تھے اور خدا کے قانونِ عدل کے مقابلہ میں انھیں اپنے معبودان باطل کی سفارش پر تکیہ تھا۔

اس ماحول میں اسلام نے شرک کی ہر پہلو سے تردید کی اور ثابت کیا کہ اس کی کوئی مضبوط بنیاد نہیں ہے۔ یہ انسان کی عقل اور اس کی نفسیات کے خلاف ہے۔ اس کے نتائج دنیا میں بھی تباہ کن ہیں اور آخرت میں بھی ہلاکت کا باعث ہوں گے۔

مشرکینِ عرب سے اس نے جس طرح گفتگو کی اس کی ایک چھوٹی سی مثال یہاں پیش کی جا رہی ہے:

ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلاً رَّجُلاً فِیْهِ شُرَکَآءُ مُتَشٰکِسُوْنَ وَرَجُلاً سَلَمًا لِّرَجُلٍ هَلْ یَسْتَوِیٰنِ مَثَلاً اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ بَلْ اَکْثَرُهُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ. (الزمر:29)

اللہ نے ایک مثال دی۔ ایک شخص (غلام) جس میں کئی شریک ہیں جو باہم گرضدی اور ایک دوسرے کے خلاف ہیں۔ دوسرا شخص ایک ہی آدمی کا غلام ہے۔ کیا ان دونوں کی حالت ایک ہو سکتی ہے؟ الحمد للہ، لیکن ان میں سے اکثر نہیں جانتے۔

قرآن مجید نے اپنے موقف پر تاریخ سے استدلال کیا۔ اس نے کہا: دنیا میں اللہ تعالیٰ کے جتنے رسول آئے سب نے توحید کی تعلیم دی اور شرک

کی تردید کی، رسالت اور آخرت پر ایمان کی دعوت دی، اس کے انکار کے نتائج سے آگاہ کیا۔ مشرک قوموں نے ان کی سخت مخالفت کی اور ان کے ساتھ بدترین سلوک کیا، لیکن انھوں نے صبر وثبات کے ساتھ اسے برداشت کیا۔ اللہ کے ان رسولوں کی اس سلسلے میں اپنی قوموں اور ان کے سرداروں سے جو گفتگوئیں ہوئیں اور جو مباحثے اور مکالمے ہوئے وہ بھی اس نے تفصیل سے پیش کیے۔ یہ مباحثے 'جدال احسن' کا بہترین نمونہ ہیں۔ یہ تلاش حقیقت کے لیے نہیں، بلکہ اثبات حق کے لیے تھے۔

مشرکین عرب کا حضرت ابراہیم علیہ السلام سے نسلی تعلق تھا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد اور خانۂ کعبہ کے محافظ ہونے کی وجہ سے سارے عرب میں ان کو عزت اور وقار حاصل تھا۔ قرآن مجید نے بتایا کہ حضرت ابراہیم توحید کے علم بردار تھے، اسی کی دعوت لے کر وہ اٹھے تھے، ان کی مشرک قوم نے ان کی بدترین مخالفت کی اور دہکتی آگ میں انھیں ڈال دیا، لیکن اللہ نے انھیں صحیح سالم نکال لیا۔ انھوں نے اپنے وطن سے ہجرت کی اور مکہ میں خانۂ کعبہ کی تعمیر کی، اسے اللہ واحد کی عبادت کا مرکز قرار دیا، جسے تم نے بت خانہ بنا رکھا ہے۔ تم ان کی اولاد ہو، پھر بھی دعوتِ توحید کی مخالفت کر رہے ہو۔ حضرت ابراہیم نے وقت کے بادشاہ، اپنے باپ اور اپنی قوم سے جو گفتگو یا مباحثے کیے، قرآن مجید نے اسے بڑی وضاحت کے ساتھ پیش کیا ہے۔ اس طرح اس 'جدال احسن' کی راہ دکھائی ہے جس کی اس نے اجازت دی ہے۔ قرآن مجید نے اہل کتاب سے بھی 'مجادلہ' کی اجازت دی ہے۔ اس کے لیے بھی وہی شرط رکھی ہے جو مشرکین سے 'مجادلہ' کے لیے ہے کہ یہ مجادلہ 'بہ طریق احسن' ہونا چاہیے:

وَلَا تُجَادِلُوا أَهْلَ الْكِتٰبِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ أَحْسَنُ اِلَّا الَّذِيْنَ ظَلَمُوا مِنْهُمْ وَقُوْلُوا آمَنَّا بِالَّذِيْ أُنْزِلَ اِلَيْنَا وَ أُنْزِلَ اِلَيْكُمْ وَاِلٰهُنَا وَاِلٰهُكُمْ وَاحِدٌ وَ نَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْن. (العنکبوت:46)

تم اہل کتاب سے مجادلہ نہ کرو، مگر مہذب طریقہ سے، لیکن ان میں سے جو ظلم کی راہ اختیار کریں ان سے بحث سے اجتناب کرو اور کہو کہ ہم ایمان رکھتے ہیں ان (تعلیمات) پر جو ہم پر نازل ہوئی ہیں اور ان پر بھی جو تم پر نازل ہوئیں۔ ہمارا اور تمھارا معبود ایک ہے، ہم اسی کے فرماں بردار ہیں۔

اہلِ کتاب اصولی طور پر توحید، وحی و رسالت، آخرت اور وہاں کی جزا و سزا کے قائل تھے۔ اس سلسلے میں ان کے اور مسلمانوں کے عقائد میں اشتراک تھا، لیکن ایک دوسرے پہلو سے ان کے درمیان فرق پایا جاتا تھا۔ وہ توحید کے قائل ہونے کے باوجود گرفتارِ شرک ہو گئے تھے، وحی و رسالت پر ایمان کے دعویٰ کے باوجود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کو تسلیم نہیں کر رہے تھے۔

اس آیت میں اہل کتاب سے مجادلہ کی اجازت کے ساتھ اس کی بنیادیں بھی فراہم کر دی گئی ہیں۔ وہ بنیادیں ہیں اللہ کے تمام رسولوں اور ان کی تعلیمات پر ایمان۔ اس میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت اور آپ کی تعلیمات بھی شامل ہیں۔ مسلمانوں کا یہی موقف ہے کہ وہ تمام رسولوں پر ایمان رکھتے ہیں، ان کے درمیان فرق نہیں کرتے۔ اسی طرح تمھارا اور ہمارا خدا ایک ہی ہے، اس کے احکام کی اطاعت ہم سب کے لیے لازم ہے۔ جہاں تک ہمارا تعلق ہے، ہم اس کے مطیع فرمان ہیں۔ اس کے ہر حکم کو دل و جان سے قبول کرتے اور اس کی اطاعت کرتے ہیں۔ اس میں اس بات کی ہدایت بھی ہے کہ اگر وہ اس کے لیے آمادہ نہیں ہیں تو تم اپنے ایمان و اسلام کا اعلان کر کے الگ ہو جاؤ۔

قرآن مجید میں متعدد مقامات پر میثاقِ بنی اسرائیل کا ذکر ہے اور بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان سے عہد لیا تھا کہ وہ اللہ واحد کی عبادت کریں گے، ان کی زندگیوں میں نماز اور زکوٰۃ کا اہتمام ہوگا، اللہ کی راہ میں اپنا مال خرچ کریں گے، والدین، رشتہ داروں اور سماج کے کمزور افراد، یتیموں اور مسکینوں کے ساتھ حسن سلوک کریں گے (اعلیٰ اخلاق کا ثبوت دیں گے) گفتگو میں بدزبانی اور تلخ کلامی کا مظاہرہ نہ کریں گے (کسی کی دل آزاری نہ کریں گے) ناحق کسی کا خون نہیں بہائیں گے، کسی کو اس کے گھر سے بے گھر نہیں کریں گے، اللہ کے رسولوں پر ایمان لائیں گے اور ان کی نصرت و حمایت کریں گے۔ (البقرۃ:83-84، المائدۃ:12)

قرآن نے بتایا کہ بنی اسرائیل نے اس عہد و پیمان کی پابندی نہیں کی۔ قدم قدم پر اس کی مخالفت کرتے رہے۔ اس عہد کا لازمی تقاضا تھا کہ وہ اللہ کے رسولوں پر ایمان لاتے، مگر انھوں نے ان میں سے چند ایک کو مانا اور دوسروں کو ماننے سے انکار کر دیا۔ ان کے ہاتھ بعض رسولوں کے قتل تک سے رنگین رہے ہیں۔ (آل عمران:181-182-النساء:157)

ان سے آخری رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے اور ان کی نصرت و حمایت کا بھی عہد لیا گیا تھا، لیکن انھوں نے صاف کہہ دیا کہ ہم اپنے پیغمبروں کے علاوہ کسی دوسرے پیغمبر کو نہیں مانیں گے۔ یہی نہیں، آپ سے عداوت ان کے سینوں میں پرورش پاتی رہی اور انھوں نے آپ کی مخالفت میں کوئی کسر نہ چھوڑی۔ (البقرہ:91، آل عمران:81)

یہود و نصاریٰ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اپنا پیشوا اور مقتدیٰ اور ان

سے اپنا دینی رشتہ جوڑتے تھے۔ قرآن مجید نے بہت تفصیل سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تعلیم پیش کی اور بتایا کہ وہ 'مسلم حنیف' تھے اور ہر طرف سے کٹ کر اللہ واحد کی عبادت کرتے تھے، ان کی زندگی ہر شائبۂ شرک سے پاک تھی، وہ خدائے واحد کی عبادت واطاعت کا پیغام لے کر اٹھے تھے اور زندگی بھر اسی کے لیے جدوجہد کی اور بے مثال قربانیاں دیں۔ آخری رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اسی دعوت کو لے کر اٹھے ہیں، اس لیے وہ ان کے قریب ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے تمھارا تعلق روایتی اور ان کا تعلق حقیقی ہے: مَا كَانَ اِبْرٰهِيْمُ يَهُوْدِيّاً وَّلَا نَصْرَانِيّاً وَّلٰكِنْ كَانَ حَنِيْفاً مُّسْلِماً وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ. اِنَّ اَوْلَى النَّاسِ بِاِبْرٰهِيْمَ لَلَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ وَهٰذَا النَّبِيُّ وَ الَّذِيْنَ آمَنُوا وَاللّٰهُ وَلِيُّ الْمُؤْمِنِيْنَ. (آل عمران: 67-68)

ابراہیم یہودی تھے اور نہ نصرانی تھے، بلکہ سب مذاہب سے کنارہ کش اور اللہ کے مطیع فرمان تھے اور مشرکوں میں سے نہ تھے۔ لوگوں میں ابراہیم سے زیادہ قریب وہ تھے جنھوں نے ان کی اتباع کی اور اب یہ نبی اور ایمان والے ہیں۔ اللہ اہل ایمان کا ولی وکارساز ہے۔

اس سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ جو لوگ آسمانی مذاہب کے ماننے والے ہیں انھیں ان کی حقیقی تعلیمات سے روشناس کرایا جائے اور ان کے تقاضوں کی طرف انھیں توجہ دلائی جائے اور دین حق ان پر واضح کیا جائے۔ یہ قرآنی طریقہ ہے۔ اس سے دعوت کی راہیں کھلتی ہیں۔ اسی پس منظر میں حسب ذیل آیت کو بھی دیکھنا چاہیے: قُلْ يَآهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْئًا وَّلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضاً اَرْبَاباً مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا اشْهَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ. (آل عمران: 64)

کہیے! اے اہل کتاب! آؤ ایک 'کلمۂ سواء' کی طرف (وہ مشترک ہے) کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں گے اور ہم میں سے کوئی بھی اللہ کو چھوڑ کر کسی کو رب نہ بنائے گا۔ اگر وہ (اسے قبول نہ کریں) اور اعراض کریں تو تم کہہ دو کہ گواہ رہو کہ ہم تو اس کے حکم کو ماننے والے ہیں۔

اس آیت کو اس بات کی دلیل سمجھا جاتا ہے کہ مذاہب کے درمیان جو اقدار مشترک ہیں ان کی دعوت دی جائے۔ بنائے اختلاف سے تعرض نہ کیا جائے، ہر ایک کو اس کے طریقہ پر عمل کی اجازت ہو، اس کے درست یا نادرست ہونے سے بحث نہ کی جائے۔ اسے مذاہب کے سلسلے میں 'رواداری' یا عدم تعصب جو بھی کہا جائے، اسلامی نقطۂ نظر نہیں کہا جاسکتا۔ یہ

اس سلسلے کی اسلامی تعلیمات اور اس کے دعوتی مشن کے خلاف ہے۔ اس سے قطع نظر خود آیت سے اس کی تردید ہوتی ہے۔ اس میں اہل کتاب کے غلط طرز عمل پر تنقید کی گئی ہے اور انھیں اسلام کی دعوت دی گئی ہے۔

اس میں اہل کتاب کو 'کلمہ سواء' کی دعوت دی گئی ہے۔ یہ 'کلمہ سواء' توحید ہے، جو اہل کتاب اور مسلمانوں کے درمیان مشترک ہے اور جو تمام مذہبی کتابوں کی بنیاد ہے۔ لیکن توحید کے قائل ہوتے ہوئے بھی یہود نے حضرت عزیر کو ابن الٰہ قرار دیا۔ ہوسکتا ہے ان میں سے ایک طبقہ کا یہ عقیدہ ہو، لیکن یہود نے اس سے اپنی برأت ظاہر نہیں کی۔ اسی طرح نصاریٰ نے تثلیث کی راہ اختیار کی، جو توحید کے سراسر خلاف ہے۔

توحید کا لازمی تقاضا یہ ہے کہ خدائے واحد کی عبادت ہو اور کسی دوسرے کو خدائی کا مقام نہ دیا جائے، جب تمھیں اس سے انکار نہیں ہے تو تمھاری عبادت شرک سے پاک ہونی چاہیے۔

اللہ واحد پر ایمان کے بعد اس کا کوئی جواز نہیں ہے کہ کسی دوسرے کو اپنا رب اور فرماں روا تسلیم کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ قانون دینے والا ہے اور اسی کے قانون کو بالادستی حاصل ہے، لیکن تم نے اپنے احبار و رہبان کو قانون سازی کا حق دے رکھا ہے۔ وہ جس چیز کو حلال کہیں وہ تمھارے نزدیک حلال ہے اور جسے حرام قرار دیں وہ تمھارے لیے حرام ہے۔ اس طرح تم نے احبار ورہبان کو ارباب کا مقام دے رکھا ہے۔ (التوبۃ: 31) اپنے اس غلط رویہ کو ترک کر کے تمھیں خدائے واحد کے احکام کی اتباع کرنی چاہیے۔ اگر تم اس کے لیے تیار نہیں ہو تو گواہ رہو کہ ہم اللہ کے فرماں بردار اور اس کے احکام کے تابع ہیں۔

یہ درحقیقت اسلام کی دعوت ہے۔ ہرقل (شاہ روم) کو آپ نے جو مکتوب اسلام کی دعوت قبول کرنے کے لیے لکھا تھا اس میں اس آیت کا حوالہ تھا۔ (قرطبی، الجامع لاحکام القرآن: ج2، جزء4، ص68)

حقیقت یہ ہے کہ مذاہب کے اختلافات فروعی اصولی ہیں، انھیں ختم نہیں کیا جاسکتا۔ اس کے لیے کوئی بھی کوشش کامیاب نہیں ہوسکتی، لیکن اس کے باوجود بعض سماجی اور اجتماعی مسائل کے حل کے لیے اہل مذاہب ہی نہیں، بلکہ تمام سماجی اور سیاسی گروہ مل جل کر کوشش کر سکتے ہیں۔

آج دنیا کے بیش تر ممالک میں مخلوط آبادیاں ہیں۔ ان کے درمیان مذہبی عقائد، مادی افکار ونظریات، تہذیب ومعاشرت کا اختلاف ہے اور کہیں مادری زبان کا فرق بھی پایا جاتا ہے۔ اس کے باوجود وہ ایک تکثیری

باقی صفحہ 39 پر

قسط اوّل

برصغیر میں صوفیہ کرام کا منہج دعوت

محمد اکرام ساجد

پیش نظر مضمون 'برصغیر میں صوفیہ کرام کا منہج دعوت' معروف پاکستانی ادیب محمد اکرام ساجد کا انتہائی تحقیقی اور معلوماتی مقالہ ھے۔ ساجد صاحب نے صوفیاء کرام کے طریقۂ کار کا بنظر غائر نہ صرف مطالعہ کیا ھے بلکہ ان کی دعوت منہج پر مسلسل غوروفکر کرکے اس بیش قیمت مقالے کو قلم بند کیا ھے۔ موصوف کا یہ مقالہ ماھنامہ 'ضیائے حرم' لاھور میں کئی قسطوں میں شائع ھوا ھے۔ ھندوستانی قارئین کے لیے یہ مقالہ ماھنامہ 'ضیائے حرم' کے شکریے کے ساتھ پیش کیا جارھا ھے۔ (نوشاد عالم چشتی)

برصغیر پاک و ہند میں اشاعت اسلام کا سہرا صوفیۂ کرام کے سر ہے، صوفیۂ کرام کی کوششوں کا ذکر کیے بغیر برصغیر کی اشاعتِ اسلام کی تاریخ مکمل نہیں ہوتی لیکن جن حالات میں صوفیۂ کرام نے اشاعتِ اسلام کا کام سرانجام دیا اسے وہی شخص جان سکتا ہے جسے ہندوستان کی اخلاقی اور معاشرتی حالت کا کماحقۂ علم ہو۔ دیوتاؤں کی حد سے بڑھتی ہوئی کثرت، جنسی خواہشات کی بحرانی کیفیت، طبقاتی تقسیم اور معاشرتی امتیازات کی لعنت کے دور میں توحید پرستی کا درس، ضبطِ نفس کی تلقین اور انسانی وحدت و اخوت کا پیغام جس جاں گسل اور صبر آزما محنت کا متقاضی ہے اسے ہر شخص بخوبی جانتا ہے اور صوفیۂ کرام نے یہی کچھ کیا۔ دلوں میں ایک خدا کے لیے جذبۂ عبادت و محبت، کردار میں پاکیزگی وعفت اور انسانوں کے مختلف طبقات میں وحدت و مودت پیدا کر کے صوفیۂ کرام نے تاریخ کا رُخ موڑ دیا۔

(روحِ تصوف، خورشید احمد گیلانی، خزینۂ علم و ادب، لاہور، اشاعت پنجم، 2001، ص84)

ابوالحسن علی ندوی کے بقول: ''ہندوستان میں مسلمانوں کے دور کا آغاز صوفیۂ کرام ہی کی آمد سے ہوا۔'' (ربانیۃ لا رہبانیۃ، اردو ترجمہ بنام تزکیہ و احسان یا تصوف و سلوک، ابوالحسن علی ندوی، مترجم محمد الحسنی، 1400ھ/ 1980ء، ص94)

ڈاکٹر محمد سعود عالم قاسمی کا کہنا ہے کہ: ''اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ہندی مسلمانوں کی قابلِ لحاظ تعداد نے انھی صوفیہ کے ہاتھوں اسلام قبول کیا اور ہندوستان کے بہت سے علاقوں میں انھی بزرگوں نے دین کی روشنی پھیلائی۔''

(مضامین تصوف، محمد ادریس، دوست ایسوسی ایٹس، لاہور، 2003، ص84)

ہندوستان میں تبلیغ اسلام کا سب سے زیادہ کام خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ نے سرانجام دیا اور آپ کے خلفا کی بے پناہ کوششوں سے ہندوستان کا چپہ چپہ نورِ اسلام سے منور ہو گیا۔ آپ کی تبلیغ کے اثرات مسلمانوں میں آج بھی موجود ہیں اور لوگوں کے دل آپ کی عقیدت سے معمور ہیں۔ (انوار الاولیا، پروفیسر سعید اختر، مجید بک ڈپو، لاہور، ص6)

خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ کا سلسلۂ تبلیغ اس قدر وسیع اور مؤثر تھا کہ ہندوستان کا کوئی کونہ ایسا نہ رہا جہاں آپ کے خلفا نہ پہنچے ہوں اور اسلام کی تبلیغ کا حق ادا نہ کیا ہو۔ بابا فرید الدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ اور خواجہ نظام الدین رحمۃ اللہ علیہ دونوں نے اس معاملے میں جس دلچسپی اور انہماک کا مظاہرہ کیا، برصغیر کا ہر مسلمان ان کا ممنون ہے۔ گجرات، دکن اور بنگال میں جو بزرگ اسلام کا پیغام لے کر گئے ہیں ان میں مولانا حسام الدین ملتانی، مولانا کمال الدین، شیخ برہان الدین غریب اور مولانا سراج الدین عثمان رحمہم اللہ تعالیٰ خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ یہ سب بزرگ خواجہ نظام الدین رحمۃ اللہ علیہ کے خلفا میں سے ہیں۔ (روحِ تصوف، ص88-89)

اسلام کے فروغ اور دین کی تبلیغ کے لیے صوفیۂ کرام کا منہج دعوت کیا تھا؟ یہ جاننے کے لیے شیخ محمد اکرام کی کتاب 'آبِ کوثر' کا درجِ ذیل اقتباس ہدیۂ قارئین ہے:

''پاک و ہند میں اسلام زیادہ صوفیۂ کرام نے پھیلایا لیکن ان کا مطمحِ نظر اور طریق کار دورِ حاضر کے مشنریوں اور مبلغوں سے بالکل مختلف تھا۔ انھوں نے اپنے آپ کو فقط غیر مسلموں میں اشاعت اسلام کے لیے وقف نہ کر رکھا تھا بلکہ ان کے دروازے ہر ایک کے لیے خواہ وہ ہندو ہو یا مسلمان، امیر ہو یا غریب، کھلے تھے اور ان کا کام ہر ایک میں بلا کسی تفریق کے ارشاد و ہدایت تھا۔ ایک ہندو کے قبول اسلام سے انھیں جتنی خوشی ہوتی تھی، شاید اس سے زیادہ ایک مسلمان کے ترکِ گناہ سے ہوتی۔ صوفیہ کے اس جامع نقطۂ نظر کو 'سلسلۃ الذہب' کے مصنف نے ایک مشہور سہروردی بزرگ (شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی رحمۃ اللہ علیہ) کا ذکر کرتے ہوئے خوب واضح کیا اور ان کی نسبت لکھا ہے:

لوگوں کی ارشاد و ہدایت میں کفر سے ایمان کی طرف، گناہ سے عبادت کی طرف، نفسانیت سے روحانیت کی طرف، ان کا بڑا مرتبہ تھا۔ مشائخ کبار

کے سامنے یہی مطمحِ نظر تھا جو 'سلسلۃ الذہب' کے بیان کے مطابق شیخ بہاء الدین صوفیہ کرام کا تھا۔ وہ ہر ایک کو خواہ وہ ہندو ہو یا مسلمان، ایک بلند تر روحانی زندگی کا پیغام دیتے اور اس کا عملی نتیجہ یہ تھا کہ کفار اسلام کی طرف راغب ہوتے اور عام مسلمان ایک پاک اور بے عیب زندگی کی طرف۔''

(آبِ کوثر، شیخ محمد اکرام، ادارہ ثقافت اسلامیہ، لاہور، اشاعت یازدہم، 1986، ص 91-190۔)

صوفیہ کرام کے منہج دعوت میں جو نمایاں خصوصیات نظر آتی ہیں، ذیل میں ان کا بالاختصار تذکرہ کیا جاتا ہے۔

1. **حسن اخلاق**:

صوفیہ کرام کے منہج دعوت میں جو چیز سب سے نمایاں نظر آتی ہے وہ ان کا حسنِ اخلاق ہے۔ حسنِ اخلاق صرف صاف ستھرا لباس پہننے کا نام نہیں، اچھی سوسائٹی میں بیٹھنے کا نام نہیں، کوئی ملنے آئے تو اس کے احترام میں کھڑے ہونے کا نام نہیں، صرف خندہ پیشانی سے پیش آنے کا نام نہیں، صرف نرم و شیریں گفتگو کا نام نہیں بلکہ اخلاق حقوق العباد کو پورا کرنے اور خدمت خلق کا نام ہے۔ اخلاق سراپا ایثار اور قربانی کا نام ہے، اخلاق بندگان خدا کی ہمدردی و خیر خواہی کا نام ہے۔ مخلوقِ خدا کی نفع رسانی اور راحت رسانی کا نام ہے، خود ننگے بھوکے رہنے اور دوسروں کو پہنانے اور کھلانے کا نام ہے، زخمی دلوں پر مرہم رکھنے کا نام ہے، معاشرے میں کم مرتبہ لوگوں کی عزت افزائی اور حوصلہ افزائی کا نام ہے، غربا، ضعفا اور ہر ملنے والے کی دلجوئی کا نام ہے، کسی کی دل شکنی نہ کرنے کا نام ہے، حلم و برداشت اور درگذر کا نام ہے، صوفیہ کرام نے انھی چیزوں کو اپنی زندگیوں کا مشن اور مقصود وحید بنایا۔ (صوفیا اور حسن اخلاق، حافظ محمد سعد اللہ، اقبال پبلشنگ کمپنی، لاہور، اشاعت دوم، جون 1999ء، ص 32-31)

معلّمینِ اخلاق کی صف میں سید کونین صلی اللہ علیہ آلہ وسلم سب سے نمایاں مقام کے حامل ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَ اِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ۔ (سورۃ القلم 4:68)

ترجمہ: ''اور بیشک آپ عظیم الشان خلق کے مالک ہیں۔''

حضور صلی اللہ علیہ آلہ وسلم کی ذات تمام کمالات کی جامع ہے۔ وہ کمالات جو پہلے نبیوں اور رسولوں میں متفرق طور پر پائے جاتے تھے وہ مجموعی طور پر اپنی تمام تر جلوہ سامانیوں اور اپنی جملہ رعنائیوں کے ساتھ اس ذاتِ اقدس و اطہر میں موجود ہیں۔ شکرِ نوح، خلتِ ابراہیم، اخلاصِ موسیٰ، صدقِ اسماعیل، صبرِ یعقوب اور تواضعِ سلیمان علیہم الصلوٰۃ والسلام سب یہاں موجود ہیں۔ (ضیاء القران، پیر محمد کرم شاہ الازہری، اشاعت 1995ء، ج 5، ص 331)

مولانا شبلی نعمانی لکھتے ہیں: ''حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ آلہ وسلم کی حیاتِ اقدس کا یہ وہ حصہ ہے جہاں آ کر آپ صلی اللہ علیہ آلہ وسلم کی زندگی تمام انبیائے کرام اور مصلحین سے ممتاز نظر آتی ہے۔'' (سیرت النبی، علامہ شبلی نعمانی، ج 2، ص 172، الفیصل ناشران و تاجرانِ کتب، لاہور، مارچ 1991)

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے حسنِ اخلاق کے باعثِ راہِ حق میں پیش آنے والی جملہ مشکلات و مصائب کا بڑی خندہ پیشانی سے مقابلہ کیا۔ یہ آپ صلی اللہ علیہ آلہ وسلم کے حسن اخلاق ہی کی برکت تھی کہ قلیل عرصہ میں دُور دُور تک اسلام کا اجالا پھیلا گیا۔ صوفیہ کرام نے اپنے آقا و مولیٰ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ آلہ وسلم کی اتباع میں اپنی تبلیغی مہموں میں حسنِ اخلاق کو نمایاں اہمیت دی ہے۔ اگر صوفیہ کرام کی تبلیغی کاوشوں کا جائزہ لیا جائے تو حسنِ اخلاق کے گلستان جگہ جگہ کھلے نظر آتے ہیں۔

ڈاکٹر سید محمد اکرم اکرام لکھتے ہیں: ''تبلیغِ دین کے لیے ان کا نہایت مؤثر ذریعہ ان کا اعلیٰ اخلاق تھا۔ وہ صدق و صفا کے پیکر اور محبت و اخوت کے مظہر تھے۔ عوام سے ان کا تخاطب نہایت لطیف اور دلنشیں تھا۔'' (تعارف 'آثار الاولیا، ڈاکٹر محمد اکرم، کلیہ علوم اسلامیہ و شرقیہ، پنجاب یونیورسٹی، لاہور، ص 7)

حافظ محمد سعد اللہ رقمطراز ہیں: ''صوفیہ کرام کے پاس سب سے بڑا طاقتور اور مؤثر ہتھیار تیغ اخلاق تھی، نرمی تھی، خود غرضی سے پاک مخلوقِ خدا کی محبت تھی، سچی ہمدردی تھی، ہر ایک کے لیے دل سوزی اور غمخواری تھی، جس کے ذریعے وہ لوگوں کے دلوں کو مسخر اور متاثر کرتے گئے۔ ان کے دلوں میں نیکی کا بیج بوتے گئے اور اس طرح اپنے حسن اخلاق سے اشاعت اسلام، تقویٰ، توبہ، رجوع الی اللہ اور نیکی کی ترویج میں وہ خدمات سرانجام دیں کہ بڑے بڑے خلفا بھی وسائل کے باوجود ایسی دینی خدمات سرانجام نہ دے سکے:

نہیں فقر و سلطنت میں کوئی امتیاز ایسا
یہ نگاہ کی تیغ بازی وہ سپاہ کی تیغ بازی

تاریخ گواہ ہے کہ یہ کام نہ علما سے ہوسکا، نہ متکلمین سے، نہ حکما سے اور نہ فقہا سے، یہ کام اگر ہوسکا تو ان بوریہ نشینوں، گدڑی پوشوں، ان نفوسِ قدسیہ سے جن کو صوفیہ اسلام کہا جاتا ہے اور جن کا نام آج بھی لاکھوں کروڑوں انسانوں کے دلوں میں عقیدت اور محبت کے جذبات پیدا کر دیتا ہے۔'' (صوفیا اور حسن اخلاق، ص 90-89)

حسن اخلاق کا دائرہ بڑا وسیع ہے۔ ذیل میں چند ذیلی سرخیوں کے عنوانات کے تحت برصغیر میں صوفیہ کرام کے منہج دعوت کا جائزہ پیش کیا جاتا ہے:

2. **ہمدردی و خیر خواہی**:

برصغیر میں صوفیہ کرام کی تبلیغی مہموں میں ہر انسان سے بے پناہ ہمدردی

اور خیر خواہی کے انوار چمکتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ مولانا ضیاء الدین برنی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

''میں ایک دفعہ سلطان المشائخ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر تھا۔ اشراق کے وقت سے چاشت تک آپ کی جاں بخش اور روح افزا گفتگو سننے میں مشغول رہا۔ اس روز بہت سے بندگانِ خدا سلطان المشائخ کی خدمت میں بیعت سے مشرف ہوئے۔ اس وقت میرے دل میں خطرہ گزرا کہ مشائخ سلف مرید کرنے میں نہایت احتیاط کرتے تھے اور خوب غور و تامل کے بعد کسی کو مرید کیا کرتے تھے۔ سلطان المشائخ انتہا درجہ کے کرم اور مہربانی کی وجہ سے عام و خاص کی دستگیری کرتے اور بغیر امتحان و امتیاز کے لوگوں سے بیعت لیتے تھے۔ میرے دل میں آیا کہ آپ سے اس بارے میں دریافت کرنا چاہیے لیکن چونکہ حضور مکاشف عالم تھے، فوراً میرے اس خطرہ سے واقف ہو گئے اور میری طرف متوجہ ہو کر فرمانے لگے: ''مولانا ضیاء الدین تم ہر بات کو مجھ سے دریافت کرتے ہو لیکن کبھی یہ نہیں پوچھتے کہ میں بغیر تحقیق کیے آنے والوں کو بیعت کے سلسلہ میں کیوں داخل کر لیتا ہوں اور بغیر تفتیش ہر شخص کے ہاتھ میں دستِ بیعت کیوں دے دیتا ہوں۔؟'' سلطان المشائخ کی یہ بات سن کر میں سر سے پاؤں تک لرز اٹھا اور حضور کے قدموں میں گر کر عرض کیا کہ عرصہ سے یہ مشکل اور دشواری مجھے درپیش تھی۔ فرمایا کہ سنو: ''خدا تعالیٰ نے ہر زمانے میں اپنی حکمتِ بالغہ کی ایک خاصیت پیدا کی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہر زمانے کے آدمیوں کا طریقہ اور رسم و رواج علیحدہ ہوتا ہے اور زمانے کی رفتار لوگوں میں اس درجہ اثر کرتی ہے کہ زمانۂ موجودہ کے لوگوں کے مزاج اور طبیعت گزشتہ لوگوں کے طبائع سے بالکل مشابہت نہیں رکھتے، البتہ بہت کم ایسے ہوتے ہیں جن کی طبیعتیں پہلے لوگوں کی طبیعتوں سے ملتی جلتی ہیں اور یہ بات تجربات سے خوب واضح ہوتی ہے۔ جب اس قدر معلوم کر چکے ہو تو یہ بھی معلوم کرو کہ مرید کی اصل ارادت یہ ہے کہ وہ غیر حق سے قطع تعلق کر کے مشغول بہ حق ہو جائے۔

سلف کا قاعدہ تھا کہ جب تک مرید میں انقطاعِ کلی نہ دیکھتے تھے اس کے ہاتھ میں دست بیعت نہ دیتے تھے لیکن شیخ ابوسعید ابوالخیر رحمۃ اللہ علیہ کے زمانے سے شیخ سیف الدین باخرزی رحمۃ اللہ علیہ کے عہد تک اور شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ کے عہد مبارک سے حضرت شیخ فرید الحق والدین قدس سرہٗ العزیز کے زمانے تک ایک اور ہی طریقہ نے جلوہ گری کی تھی۔ ان اولوالعزم اور جلیل القدر بادشاہوں کے دروازوں پر ہر وقت ہجوم خلائق رہتا تھا اور چار طرف سے بادشاہ، امرا، مشاہیر اور دیگر لوگ جوق در جوق آتے تھے اور اخروی ہلاکت کے خوف سے اپنے تئیں ان عاشقانِ خدا کی پناہ ڈال دیتے تھے۔ یہ مشائخ بغیر تحقیق و تفتیش کے عام و خاص سے برابر بیعت لیتے تھے اور سلسلۂ ارادت میں داخل کرتے تھے اور ہر ایک شخص کو حسبِ مراتب خرقۂ توبہ یا خرقۂ تبرک عنایت فرماتے تھے کیونکہ یہ ممکن نہ تھا کہ محبوبانِ خدا کا سا معاملہ ہر شخص کے ساتھ برتا جاتا، پس شیخ ابوسعید ابوالخیر، شیخ سیف الدین باخرزی، شیخ شہاب الدین سہروردی اور شیخ فرید الحق والدین قدس اللہ اسرارہم، لوگوں کو اس طرح مرید کیا کرتے تھے جس طرح کہ میں کرتا ہوں اور اس زمانے کے موافق یہی ٹھیک بات ہے کیونکہ اگر خدا تعالیٰ کا ایک محبوب اور پسندیدہ شخص ایک جہاں کے گنہگاروں کو اپنے سایۂ حمایت میں لینا چاہے تو لے سکتا ہے۔ اب میں تمھارے جواب کی طرف متوجہ ہوتا ہوں۔ سنو! میں جو مریدوں سے بیعت لینے میں زیادہ احتیاط اور تفتیش نہیں کرتا، اس کی چند وجہیں ہیں۔

ایک یہ کہ میں سنتا ہوں کہ بہت سے لوگ میری بیعت میں داخل ہونے سے معصیت و گناہ سے باز رہتے ہیں۔ نماز با جماعت ادا کرتے ہیں اور نوافل میں مشغول رہتے ہیں۔ اگر میں پہلے ہی سے ارادت کے شروط و قیود ان سے بیان کروں اور ان شرائط کے بجا لانے پر مجبور کروں، نیز خرقۂ توبہ اور خرقۂ تبرک جو خرقۂ ارادت کے قائم مقام ہیں، نہ دوں تو اس قدر بھلائیاں جو ان سے ظہور میں آتی ہیں وہ ان سے محروم و بے نصیب رہیں۔ دوسرے یہ کہ مجھے شیخ سے اس بات کی اجازت ہے کہ بغیر کسی سفارش، التماس یا وسیلہ کے اور بدون کسی تفتیش و کرید کے لوگوں سے بیعت لوں اور جب میں دیکھتا ہوں کہ ایک مسلمان آدمی عجز و اضطراب اور مسکنت و بیچارگی کے ساتھ میرے پاس آتا اور کہتا ہے کہ میں تمام گناہوں سے توبہ کرتا ہوں تو مجھے اس سے بیعت لینے میں کون سی چیز مانع ہو سکتی ہے؟ خاص کر جبکہ میری نیت میں اس کے صادق ہونے کا غالب احتمال ہوتا ہے، پس ایسی صورت میں مجھے اس سے بیعت لینا ضروری ہو جاتا ہے، قطع نظر اس کے کہ میں نے نہایت ثقہ اور راست باز لوگوں سے سنا ہے کہ جو لوگ میری ارادت و بیعت میں داخل ہوتے ہیں وہ تمام گناہوں سے الگ ہو جاتے ہیں۔'' (تاریخ مشائخِ چشت، خلیق احمد نظامی، ندوۃ المصنّفین، دہلی، اشاعت اوّل، مئی 1553، ص 288-292)

اس سے پتہ چلا کہ حضرت سلطان المشائخ کے دل میں لوگوں کی خیر خواہی اور ہمدردی کا جذبہ کس قدر کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا نیز آپ کس خوبی سے زمانے کی نبض پر ہاتھ رکھتے تھے۔

خلیق احمد نظامی، خواجہ شاہ سلیمان تونسوی رحمۃ اللہ علیہ کے بارے

میں لکھتے ہیں:

''حضرت شاہ محمد سلیمان تونسوی رحمۃ اللہ علیہ چاہتے تھے کہ مسلمان رسولِ عربی صلی اللہ علیہ آلہٖ وسلم کے آئینہ میں اپنے اخلاق و عادات کو سنواریں۔ان کا عقیدہ تھا کہ اچھے فضائل اور عادات صرف متابعت رسول صلی اللہ علیہ آلہٖ وسلم سے ہی پیدا ہوتے ہیں۔انھوں نے ہمیشہ اسی جدوجہد میں وقت گزارا کہ عوام کے اعمال درست کیے جائیں۔فرمایا کرتے تھے کہ اس زمانہ میں آدمی بہت ہیں لیکن آدمیت نہیں۔''

ملفوظات 'نافع السالکین' میں جگہ جگہ بری صحبت، غیبت، غرور، عیب جوئی، شراب نوشی اور رشوت خوری سے بچنے کی ہدایت کی ہے اور بار بار ادب، مہمان نوازی، نیکی، عجز و انکساری اور ایمانداری کا درس دیا ہے۔(ایضاً، ص 61-260)

اس اقتباس سے حضرت خواجہ شاہ محمد سلیمان تونسوی رحمۃ اللہ علیہ کی عوام کے لیے ہمدردی اور خیر خواہی نمایاں ہے۔

3. عفو و درگزر:

صوفیہ کرام کو اپنی تبلیغی مہموں کے دوران اپنے مخاطبین کی طرف سے بعض اوقات بڑے ناخوشگوار واقعات کا سامنا بھی کرنا پڑ جاتا تھا۔ایسے حالات میں وہ عفو و درگزر سے کام لیتے ہوئے بڑے مؤثر انداز میں اپنی دعوت کو اپنے مخاطب کے دل و دماغ میں اُتار دیا کرتے تھے۔

امیر خورد 'سیر الاولیا' میں خواجہ نظام الدین اولیا رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ:

''ایک دفعہ آپ کے چند معتقدین مل کر سلطان المشائخ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ہر ایک نے آپ کی خدمت میں پیش کرنے کے لیے مختلف قسم کی مٹھائیاں خریدیں۔ان میں ایک دانشمند بھی تھا۔اس نے پوچھا کہ کیا یہ مختلف تحائف سلطان المشائخ کی خدمت میں یکجا پیش کرو گے؟ انھوں نے کہا: ہاں۔اس نے تھوڑی سی خاک راستے میں سے اٹھائی اور ایک کاغذ میں لپیٹ لی۔جب یہ سلطان المشائخ کے پاس پہنچے تو ہر ایک نے اپنا تحفہ آپ کے سامنے رکھا اور اس دانشمند نے بھی وہ کاغذ کی پڑیا سامنے رکھی۔آپ کے خادم نے وہ تحائف اٹھانے شروع کیے۔خادم نے چاہا وہ کاغذ کی پڑیا بھی اٹھالے مگر سلطان المشائخ نے اس سے فرمایا کہ اس پڑیا کو یہیں رہنے دو کہ یہ خاص ہماری آنکھوں کے لیے سرمہ ہے۔وہ دانشمند فوراً تائب ہوا۔سلطان المشائخ نے خلقت خاص سے سرفراز کیا اور اس سے فرمایا: اگر تمھیں وظیفے یا روٹی کی ضرورت ہو تو ہم سے کہو۔'' (سیر الاولیا، امیر خورد کرمانی، اردو ترجمہ، اعجاز الحق قدوسی، اردو سائنس بورڈ، لاہور، اشاعت اول، اپریل 1986ء، ص 61-260)

دیکھا آپ نے کہ کس طرح حضرت سلطان المشائخ نے عفو و درگزر سے کام لے کر اصلاح کا فریضہ سرانجام دیا۔حضرت شاہ فخر الدین رحمۃ اللہ علیہ کسی کو رنجیدہ یا ملول نہیں دیکھ سکتے تھے۔ہر آنے والے کی دلجوئی کرتے تھے اور ہمیشہ یہ کوشش کرتے تھے کہ آپ کے پاس سے کوئی شخص رنجیدہ خاطر نہ جائے۔آپ کے اخلاق سے دشمن تک متاثر ہوتے تھے۔لوگ آپ کی جان لینے کی فکر میں جاتے لیکن جب آپ سے ملتے تو بقول مصنف 'مناقب فخریہ':

اے برتر از سپہر و مہ و مہر جاہ تو
گردن کشاں مسخر تیر نگاہ تو

ایک افغانی آپ کی خانقاہ میں آیا اور آپ پر حملہ کیا۔خدام نے ہاتھ پکڑ لیے۔آپ نے فرمایا: ہاتھ چھوڑ دو اور اپنا سر مبارک زمین پر ڈال کر فرمایا:

''ما حاضریم ہر چہ بخاطر شماست بکنید۔''

ترجمہ: ''ہم حاضر ہیں جو کچھ تمھارے جی میں ہے کرو۔''

وہ شخص اس وقت شرمندہ ہو کر چلا گیا۔تھوڑی دیر بعد دو آدمیوں کو اور اپنے ساتھ لایا۔اس کو دیکھتے ہی آپ تعظیم کے لیے اُٹھ کھڑے ہوئے اور فرمایا: صاحب بخیر و عافیت۔ان الفاظ کا زبان سے نکلنا تھا کہ اخلاق کا وہ ہتھیار جو پہلی بار اُچٹتا ہوا لگا تھا اپنا کام کر گیا اور ان لوگوں نے سچے دل سے معافی مانگی۔(تاریخ مشائخ چشت، 84-483)

حضرت قبلہ عالم (پیر جماعت علی شاہ محدث علی پوری) قدس سرہٗ العزیز از روئے توارث نیز موہبت ایزدی سے خُلقِ عظیم کے رتبہ پر فائز تھے۔کافر بھی آپ کے اخلاقِ حسنہ سے متاثر ہو کر مسلمان ہو جاتے تھے اور ہزاروں لاکھوں متزلزل الیقین مسلمان آپ کی رفق و ملاطفت اور رافت و شفقت کے گرویدہ ہو کر صالح اور دیندار بن جاتے تھے۔خلافِ شریعت کوئی بات آپ ہرگز برداشت نہ فرماتے۔اگر کوئی مخالفتِ شریعت سے باز نہ آتا تو آپ عملی طور پر سختی فرماتے اور یہ سب اللہ اور اس کے رسول مکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور شریعت کی خاطر ہوتا۔ذاتی طور پر آپ مجسم رافت و شفقت تھے۔ایک دفعہ ایک عورت اپنی چھت پر کھڑی ہوئی زور زور سے گالیاں بک رہی تھی۔آپ نے فرمایا: یہ کس کو برا بھلا کہہ رہی ہے؟ غور فرمایا تو معلوم ہوا کہ وہ آپ ہی کی شان اقدس میں ہرزہ سرائی کر رہی تھی۔ارشاد فرمایا: دروازہ بند کر دو، اللہ اس کو ہدایت دے۔اس وقت آپ کی خدمت والا میں بہت لوگ حاضر تھے۔وہ سب کرم و رافت کے اس عظیم مظاہرے سے بے حد متاثر ہوئے۔درحقیقت حضرت قبلۂ عالم رحمۃ اللہ علیہ اَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ۔(سورہ الفتح، آیت: 48) کی صحیح مثال تھے۔

گوجرانوالہ کے خطیب مولوی عبدالعزیز صاحب فالج زدہ ہو گئے۔ ان کی بیماری نے طول کھینچا تو آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنی غلطیوں اور گستاخیوں کی معافی طلب کی۔ حضرت قبلہ نے ارشاد فرمایا۔ مولوی صاحب! مجھے آپ سے کوئی ذاتی رنجش نہیں ہے، نہ ہی مجھے آپ کی کوئی بات یاد ہے، البتہ آپ نے حضرت نبی کریم کی کی شانِ مبارک میں گستاخیاں کی ہیں، اس لیے آپ اللہ تعالیٰ سے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ آلہٖ وسلم سے معافی طلب کیجیے۔ میں بھی آپ کے لیے دُعا کروں گا۔ اس کے بعد مجھے طلب کیا اور حکم دیا: مولوی صاحب بیمار ہیں، ان کا علاج کراؤ، ان کی تیمارداری اور خدمت گزاری کرو۔ مولوی صاحب کو کسی طرح تکلیف نہ ہونے پائے۔ مولوی صاحب آپ کے خلق و کرم سے بے حد متاثر ہوئے۔ اپنی غلطیوں اور قصوروں سے تائب ہوئے اور فلاح دارین حاصل کی۔ (سیرت امیر ملت، پیر سید اختر حسین، اشاعت چہارم، محرم الحرام 1420ھ/مئی 1999ء)

حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ کے احوال میں درج ہے:

''ایک بار ایک بدظن آدمی حضرت خواجہ صاحب کو قتل کرنے کے ارادہ سے آیا، حضرت خواجہ صاحب کو اس کا علم نورِ باطن سے ہو گیا لیکن وہ شخص جب نزدیک آیا تو بہت ہی اخلاق سے پیش آئے اور اپنے پاس بٹھا کر فرمایا کہ جس ارادہ سے آئے ہو اس کو پورا کرو۔ یہ سنتے ہی وہ شخص کانپنے لگا اور شرمندہ ہو کر عاجزی سے بولا کہ مجھے لالچ دے کر آپ کو ہلاک کرنے کے لیے بھیجا گیا تھا۔ یہ کہہ کر چھری نکالی اور سامنے ڈال دی، پھر قدم مبارک پر گر کر کہنے لگا کہ آپ مجھے اس کی سزا دیجیے، حضرت نے فرمایا کہ ہم درویشوں کا شیوہ ہے کہ ہم سے کوئی برائی بھی کرتا ہے تو ہم اس کے ساتھ نیکی سے پیش آتے ہیں، تم نے میرے ساتھ کوئی برائی نہیں کی۔ یہ کہہ کر اس کے لیے دُعا کی۔ وہ آدمی بہت متاثر ہوا اور اسی وقت سے خدمت میں رہنے لگا اور حضرت کی بدولت اس کو 45 بار زیارت بیت اللہ کی سعادت حاصل ہوئی اور اس مقدس سرزمین میں پیوند خاک ہوا۔ خواجہ غریب نواز اجمیری رحمۃ اللہ علیہ کے پاس اس دیارِ غیر میں سب سے بڑا اور مؤثر ہتھیار یہی تیغ اخلاق تھی جس نے اہلِ ہند کے قلوب کو فتح کیا اور 'سلطان الہند' کے لقب کا تاج ان کے سر پر سجایا۔ اسی حسن اخلاق سے اپنے پرائے سب ان کے حلقۂ ارادت میں داخل ہوتے گئے اور خواجہ صاحب نے ان کا رُخ بت خانوں سے مساجد کی طرف موڑ دیا۔'' (صوفیا اور حسن اخلاق، ص170)

مفتی انتظام اللہ شہابی حضرت بابا فرید گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کے احوال میں درج کرتے ہیں:

''ایک روز حضرت خواجہ مع مصاحبین رونق افروز تھے کہ راجہ پتھوڑا کے لشکر کا ایک آدمی آستین میں چھری چھپائے ہوئے آیا اور معتقدین کی طرح بیٹھ کر طالب بیعت ہوا۔ خواجہ صاحب بار بار اس کی طرف دیکھتے تھے اور مسکرا دیتے تھے۔ کچھ دیر کے بعد آپ نے فرمایا کہ درویش کے پاس کسی شخص کا آنا دو وجوہ سے خالی نہیں ہوتا۔ یا تو آنے والا بہ خیالِ بیعت آتا ہے یا بہ خیالِ اذیت، تو بھی ان میں سے جو بات سوچ کر آیا ہے کر گزر۔ یہ سنتے ہی اس شخص نے چھری آستین سے نکال کر سب کے سامنے پھینک دی اور قدموں پر گر پڑا اور معافی کا طالب ہوا۔ آپ نے اس کو مسلمان کر کے مرید کیا اور کاملین میں اس کا شمار ہوا۔'' (مفتی ماہتاب اجمیر، انتظام اللہ شہابی، مطبع مصطفائی پریس، آگرہ، ص26-25)

حضرت بہاء الدین زکریا ملتانی رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں 'تذکرہ صوفیائے پنجاب' میں لکھا ہے:

''ایک دفعہ ایک بہت بڑا عالم دانشور بخارا سے دہلی آیا۔ جب وہ ملتان پہنچا تو اپنے علمی پندار و رعونت کی وجہ سے حضرت بہاء الدین زکریا ملتانی رحمۃ اللہ علیہ سے ملنے نہیں گیا۔ جب وہ ملتان سے دہلی روانہ ہونے لگا تو اس کے ساتھیوں نے اصرار کیا کہ اسے حضرت شیخ بہاؤالدین زکریا ملتانی رحمۃ اللہ علیہ سے ملنا چاہیے۔ آخر وہ اپنے ساتھیوں کے اصرار پر آپ کی خدمت میں اس شان سے حاضر ہوا کہ دستار کا شملہ نیچے تک لٹکا ہوا تھا اور لمبے لمبے بال شانوں پر پڑے ہوئے تھے۔ آپ نے اسے دیکھ کر مسکراتے ہوئے فرمایا: دو دو سانپ لے کر آئے ہو۔ اس ارشاد کے ساتھ ہی اس کی رعونت دُور ہو گئی اور اس نے اسی وقت اُٹھ کر سر منڈایا اور دستار کے شملے کو چھوٹا کیا اور آپ سے بیعت ہو کر ایک عرصے تک آپ کی خدمت میں رہا۔''

(تذکرہ صوفیائے پنجاب، اعجاز الحق قدوسی، سلمان اکیڈمی، کراچی، 1996ء، ص116)

ڈاکٹر اعجاز انجم لطیفی عظیم صوفی پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد کے احوال میں لکھتے ہیں: ''آج کے مریدین ہر طرح کے ہوتے ہیں، باادب بھی اور بے ادب بھی۔ آپ مریدین کی اصلاح اور تربیت میں فراخدلی کے ساتھ بڑی برداشت اور عفو و درگزر سے کام لیتے ہیں۔ کچھ مشائخ اپنے مریدین کو ڈانٹتے اور مارتے بھی ہیں۔ کچھ مشائخ اپنے مریدین سے ملازموں اور نوکروں کا سا برتاؤ کرتے ہیں لیکن آپ کا ہر معاملہ ہی نرالا ہے۔ مریدین آپ کی محبت سے قریب آتے چلے جاتے ہیں۔'' (پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد: حیات، علمی اور ادبی خدمات، اعجاز انجم لطیفی، اشاعت اول، 1422ھ/2002ء، ص85)

(جاری)

پاکستان میں علمائے اہل سنت پر عرصۂ حیات تنگ کرنے کی کوشش: ایک لمحۂ فکریہ

صاحبزادہ سید حامد سعید کاظمی پاکستان کی بڑی دینی و علمی شخصیت ہیں۔ آپ کے والد گرامی غزالیِ زماں، رازیِ دوراں علامہ سید سعید احمد کاظمی علیہ الرحمہ بھی اپنے عہد کی بلند پایہ دینی، علمی اور روحانی شخصیت کے مالک تھے۔ سید حامد سعید کاظمی پچھلے کچھ مہینوں سے غلط الزامات کے شکار ہیں۔ پاکستان میں ایک مخصوص نظریہ کے لوگوں کی خوشنودی کے لیے ان کی مذہبی شخصیت کو داغدار کیا جا رہا ہے۔ ماہنامہ ایمز انٹرنیشنل کے اگست 2011ء شمارہ میں ان کا انٹرویو شائع ہوا ہے جس میں انھوں نے اپنے خلاف لگائے گئے الزامات کا تفصیلی جواب دیا ہے۔ پیش نظر انٹرویو ایمز انٹرنیشنل کے شکریہ کے ساتھ نیز ان کا علما و مشائخ کے نام خط کو بھی مذکورہ شمارہ سے شائع کیا جا رہا ہے۔ (نوشاد عالم چشتی)

مجھ پر لگائے گئے الزامات بے بنیاد ہیں: صاحبزادہ سید حامد سعید کاظمی

مجھ پر الزام لگانے والے دو افراد ہیں۔ (1) اعظم خان سواتی (سابق وزیر) (2) عمر خان علی شیرزئی (سابق سفیر پاکستان جو سعودیہ میں متعین تھا)

عمر خان علی شیرزئی نے ایف آئی اے کو بیان دیا کہ تبلیغی جماعت کے امیر شیخ عبدالوہاب اور ان کے خادم خاص مولانا فہیم نے بتایا تھا کہ حامد سعید کاظمی نے ان سے فی حاجی 25000 روپے ویزا لگانے کے مانگے تھے جبکہ ایف آئی اے نے شیخ عبدالوہاب اور مولانا فہیم کے بیانات لیے تو انھوں نے صاف انکار کیا اور بتایا کہ پوری زندگی میں ان کی کبھی سید حامد سعید کاظمی سے ملاقات ہی نہیں ہوئی تھی۔ اس سے عمر خان علی شیرزئی کا جھوٹا ہونا بالکل صاف ثابت ہو گیا۔ مگر عدالتِ عظمیٰ نے اس پر کوئی نوٹس نہیں لیا۔

اعظم خان سواتی جب پہلی بار سپریم کورٹ میں پیش ہوئے تو قرآن مجید اُٹھا کر لائے تھے اور قرآن مجید پر حلفیہ بیان دیا کہ ''9 دسمبر کو سکریٹری مذہبی امور آغا سرور رضا قزلباش میری رہائش گاہ پر آئے تھے اور انھوں نے حلفیہ بیان دیا تھا کہ حامد سعید کاظمی سو فیصد کرپشن میں ملوث ہے اور یہ کہ سابق ڈی جی حج شاہد خان نے کہا تھا کہ حامد سعید کاظمی نے بطور وزیر 50 ریال فی حاجی کمیشن طلب کیا تھا۔''

آغا سرور رضا قزلباش نے سپریم کورٹ میں اس بیان سے انکار کر دیا تھا اور ایف آئی اے نے جب شاہد خان سے رابطہ کیا تو انھوں نے بھی واضح طور پر بتا دیا کہ حامد سعید کاظمی نے کبھی ان سے 50 ریال یا کسی قسم کا کوئی کمیشن وغیرہ طلب نہیں کیا۔ گویا ثابت ہو گیا کہ اعظم خان سواتی نے سپریم کورٹ میں قرآن اٹھا کر جو حلفیہ بیان دیا تھا وہ جھوٹا تھا۔ ایسے شخص کی گواہی پر اور الزام تراشی پر میرے خلاف کارروائی کی کیا حیثیت ہو سکتی ہے۔

اعظم خان سواتی نے اپنے ابتدائی بیان میں میرے خلاف جو الزامات لگائے تھے اور ان کے لیے جو ثبوت پیش کیے تھے آج تک اس کے بعد صرف ایک بات کا اضافہ اس میں کیا گیا کہ ''حامد سعید کاظمی کے گھر کے فون نمبر سے احمد فیض کے سیل نمبر پر ایک کال کی گئی ہے۔''

میں تمام الزامات جو ایف آئی اے کی رپورٹ میں لگائے گئے ہیں اور ان کا ایک ایک کر کے مختصراً جواب دے رہا ہوں۔

الزام: احمد فیض، حامد سعید کاظمی کی ہدایت پر اپائنٹ کیا گیا۔ راؤ شکیل نے واضح طور پر اس کے اپائنٹمنٹ لیٹر میں یہ بات لکھی ہے۔

جواب: میری طرف سے کوئی ہدایت نہیں ہے۔ کوئی ریکارڈ، کوئی سفارش قطعاً نہیں ہے بلکہ اگر کوئی زبانی ہدایات کی بات بھی کرے تو وہ بھی درست نہیں۔ وہ اس لیے کہ اگر وہ میری ہدایت پر اپائنٹ ہوتا تو راؤ شکیل اس اپائنٹمنٹ لیٹر کی ایک کاپی مجھے یا میرے پی ایس کو ضرور بھیجتے اور بتاتے کہ آپ کے حکم کی تعمیل ہو گئی۔ لیکن اپائنٹمنٹ لیٹر خود بتا رہا ہے کہ اس کی کوئی کاپی مجھے نہیں بھیجی گئی گویا یہ الزام درست نہیں ہے۔

الزام: مسٹر کاظمی نے تسلیم کیا ہے کہ راؤ شکیل کے کہنے پر انھوں نے احمد فیض کے پاسپورٹ کی رینیو کے لیے Facilitate کیا اور اگر چہ احمد فیض سرکاری پاسپورٹ کے لیے کوالیفائی نہیں کرتا تھا پھر بھی اس کو سرکاری پاسپورٹ جاری کرنے کے لیے ڈی جی پاسپورٹ کو سفارش کی۔

جواب: یہ درست ہے کہ میں نے ڈی جی حج راؤ شکیل کے کہنے پر پاسپورٹ کی رینیول کی جو ریکوئسٹ ڈی جی کی طرف سے آئی تھی وہ لیٹر روٹین میں آگے بڑھا دیا تھا اور 20 اسکیل کے افسر ڈی جی حج کی سفارش کے بعد میں نے خود تحقیق کرنے کی کوشش نہیں کی کہ احمد فیض سرکاری پاسپورٹ کے لیے کوالیفائی کرتا ہے یا نہیں۔ ایک تو اعتماد کی بات تھی، دوسرے یہ کہ مجھے تو صرف سفارش کرنا تھی سفارش کرتے ہوئے زیادہ تحقیق نہیں کی جاتی، جسے پاسپورٹ ایشو کرنا تھا یہ تحقیق تو بنیادی طور پر انھیں کرنی تھی۔ دوسری بات یہ کہ احمد فیض کو سرکاری پاسپورٹ ایشو نہیں ہوا بلکہ جب سعودیہ میں اس کی گرفتاری وغیرہ کی خبر آئی تو وزارت نے وہ تمام

سفارشات جو کی گئی تھیں وتھ ڈرا کر لی تھیں۔

انتہائی اہم: احمد فیض جب سعودیہ میں گرفتار ہوا اور اس کے قبضے سے کچھ پاسپورٹ وغیرہ برآمد ہوئے تو جدہ میں پاکستانی قونصل جنرل عبدالسالک خان نے وزارت خارجہ پاکستان اسلام آباد کو جو لیٹر لکھا اس میں وضاحت کی کہ وہ پاسٹورپ جو اس کے قبضے سے برآمد ہوئے وہ Forged تھے۔ لیکن ڈی جی راؤ شکیل نے جو لیٹر Director of Department of Forgery of Passports (Makkah) کو لکھا اس میں کہا کہ وہ تمام کاغذات جو احمد فیض کے پاس ہیں وہ سب ڈائریکٹریٹ جنرل آف حج سے متعلق ہیں۔ اگر احمد فیض کا تعلق بنیادی طور پر مجھ سے ہوتا تو ڈی جی حج فوراً مجھ سے رابطہ کرتے اور بتاتے کہ آپ کا خاص آدمی یہاں فراڈ کے کیس میں پکڑا گیا ہے آپ اس کے لیے کچھ کرنا چاہتے ہوں تو کریں لیکن مجھ سے بات کیے بغیر وہ براہِ راست سعودیہ کے محکمے کو خط لکھ کر اس کی صفائی پیش کریں خواہ اس خط میں بھی احمد فیض کا رشتہ مجھ سے جوڑنے کی کوشش کریں۔ پھر بھی 'بلڈنگ سپر وائزر' کی جگہ اس کو "First Officer" ظاہر کریں تو یہ حقیقت پوری طرح واضح ہو جاتی ہے کہ احمد فیض کا اصل تعلق مجھ سے نہیں بلکہ راؤ شکیل سے تھا۔

(c) **الزام**: مسٹر کاظمی نے انکار کیا ہے کہ وہ پہلے سے احمد فیض سے شناسائی رکھتے تھے جبکہ ریکارڈ پر تصاویر موجود ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ جب مسٹر کاظمی سعودیہ میں عمارات کا جائزہ لینے کے لیے گئے تھے تو احمد فیض ان کے ساتھ تصاویر میں موجود ہے۔

جواب: مجھ سے سوال ہو رہا تھا کہ احمد فیض کی اپائنٹمنٹ میری ہدایات کی روشنی میں ہوئی تھی۔ تو میں نے جواب دیا 'نہیں، میں تو اسے پہلے جانتا تک نہیں تھا' یہاں ''پہلے'' سے کیا مراد ہے۔ رپورٹ میں بی الفاظ میں Hiring Review Comittee... یہ تصاویر Prior Acqaintance کی رپورٹ کے ساتھ منسلک تھیں جو اس کیس کی بالکل ابتدائی اور بنیادی دستاویز ہے۔ ان تصاویر پر قومی اسمبلی کی قائمہ کمیٹی کے اجلاس میں ستمبر میں بات ہو چکی تھی۔ یہ تصاویر میرے بیان کے بعد منظرِ عام پر نہیں آئیں بلکہ بالکل شروع سے سامنے تھیں۔ جب میں عمارات کا معائنہ کر رہا ہوں تو بلڈنگ سپر وائزر کا ساتھ ہونا تو ظاہر ہے۔ میرے کہنے کا مطلب بالکل واضح تھا کہ احمد فیض کی حج مشن میں تقرری سے پہلے میں اس شخص کو جانتا تک نہیں تھا۔ میرے اس بیان کو ان تصاویر کی روشنی میں غلط قرار دینا بذات خود بدنیتی ہے۔ یہ تصاویر اس کی اپائنٹمنٹ سے پہلے کی ہیں یا بعد کی یقیناً بعد کی ہیں۔ جب وہ بلڈنگ سپر وائزر کی حیثیت سے عمارات کے جائزے کے وقت ساتھ ہے۔

(d) **الزام**: یہ مسٹر کاظمی نے کہا کہ انہیں یاد نہیں کہ احمد فیض سے اس کے سیل نمبر پر انہوں نے بات کی ہو جبکہ ان کی رہائش گاہ کے فون کا ریکارڈ بتا رہا ہے کہ ان کے فون سے ایک کال احمد فیض کے نمبر پر کی گئی ہے۔

جواب: ''مجھے یاد نہیں'' میرے اس بیان کو غلط قرار دینا کس طرح جائز ہو سکتا ہے۔ میں روزانہ سینکڑوں لوگوں سے فون پر بات کرتا ہوں ممکن ہے کہ پاسپورٹ وغیرہ کا مسئلہ جس کا پہلے ذکر ہو چکا کوئی بات کرنا پڑی ہو۔ ممکن ہے اس کے فون پر کسی اور شخص سے بات ہوئی ہو۔ ممکن ہے میرے فون سے کسی اور نے بات کی ہو۔ آپریٹر کے پاس فون ہوتا ہے، کوئی بھی کر سکتا ہے۔ اس تمام ایشو سے پہلے احمد فیض اتنا معروف اور مشہور شخص نہیں تھا کہ اس سے بات کرنا مجھے ضرور یاد رہتا اور کیا ایک فون کال کا میرے اس سے ایسے تعلق کی دلیل بن سکتی ہے جس کی بنیاد پر کرپشن کا الزام ثابت ہوتا ہو۔ اگر یہ کال اس کی اپائنٹمنٹ سے پہلے کی ہوتو میرا اس سے کوئی تعلق جوڑا جا سکتا تھا لیکن اس کی اپائنٹمنٹ سے پہلے میرا اور احمد فیض کا کوئی تعلق نہیں تھا۔

(ii) **الزام**: D.C.B.A کی روشنی میں واضح ثبوت ملتا ہے کہ حامد سعید کاظمی نے غلط جوابات دیئے ہیں اس لیے ان کا یہ بیان کہ انھوں نے کوئی Kick back وصول نہیں کی غلط ہو سکتا ہے۔

جواب: پہلی بات تو یہ کہ چاروں باتیں غلط ثابت نہیں ہوتیں، یہ نتیجہ نکالنے والے کی غلطی یا بدنیتی ہے۔ دوسری بات یہ کہ Kick back کا کوئی ثبوت نہیں۔ صرف اتنی بات کہ یہ بات بھی غلط ہو سکتی ہے اس کی جو بھی حیثیت ہے وہ کوئی بھی انصاف پسند شخص بخوبی سمجھ سکتا ہے۔

(iii) **الزام**: سید حامد سعید کاظمی کا یہ بیان کہ ان کا صرف ایک بینک اکاؤنٹ پارلیمنٹ ہاؤس میں ہے اور اس کے علاوہ ان کا یا ان کے خاندان کا کوئی دوسرا بینک اکاؤنٹ نہیں ہے غلط ثابت ہوتا ہے وہ اس لیے کہ ان کے دو اور اکاؤنٹ بھی موجود ہیں۔ ایک مسلم کمرشل بینک نشتر روڈ برانچ ملتان اور ایک فیصل بینک میں فارن کرنسی اکاؤنٹ۔

جواب: میں یہ بیان نہیں دے سکتا تھا کہ میرا صرف ایک بینک اکاؤنٹ ہے۔ وہ اس لیے کہ مسلم کمرشل بینک کا اکاؤنٹ تو میں نے اپنے اثاثوں میں ظاہر کیا ہوا ہے جو الیکشن کمیشن میں جمع کرائے گئے ہیں۔ اس کا انکار کرنا جبکہ اس میں نہ تو غیر معمولی رقم ہے نہ کوئی ایسا غیر قانونی لین دین ہے کس طرح ممکن ہے۔ جہاں تک فارن کرنسی اکاؤنٹ کا تعلق ہے تو اس میں بھی اتنی بڑی رقم موجود نہیں جو کسی جرم کا ثبوت بن سکتی اور یہ رقم زیادہ تر باہر سے باقاعدہ اکاؤنٹ سے قانونی طریقے سے آئی ہے۔ یعنی یہ اصل

میں White money ہے جس کو ظاہر کرنا میرے لیے مفید ہوسکتا ہے کسی صورت میں نقصان دہ نہیں ہوسکتا۔ اگر میں نے اس کا ذکر نہیں کیا تو صرف ایک وجہ سے کہ میں اسے اپنے خیال میں اپنے بھائی کی امانت تصور کرتا ہوں اور اس اکاؤنٹ میں 2010ء میں کوئی رقم سرے سے جمع ہی نہیں کی گئی۔

انتہائی اہم: میرے، میرے خاندان کے کسی بینک اکاؤنٹ میں ایم این اے بننے کے بعد کوئی ایسی Transaction نہیں ہوئی جس کی بنیاد پر مجھ پر کوئی شبہ کیا جاسکے۔ بلکہ آخری برس 2010ء جس کے حج کے حوالے سے کرپشن کا کیس زیر سماعت ہے اس میں بھی کوئی ایسی رقم نہیں آئی جس کے بارے میں ادنیٰ سا بھی غلط خیال ہوسکے۔

(iv) میرے بینک اکاؤنٹ میں صرف وہ Transanction کے بارے میں بطور خاص پوچھنے کی ضرورت محسوس کی گئی وہ اس لیے کہ یہ رقم دس لاکھ اور گیارہ لاکھ پچاس ہزار روپے کی تھیں۔ دس لاکھ روپے کی رقم میری بیوی کی سگی بھانجی کے اکاؤنٹ سے آئی تھی جو خاندانی لین دین کے سلسلے میں تھی۔ اور دوسری رقم سیلاب زدگان کی مدد کے لیے دوستوں نے جمع کرکے دی تھی اور سیلاب زدگان میں جو خوراک اور ضرورت کی اشیاء رضائیاں وغیرہ تقسیم کی ہیں ان کی خرید کی رسیدیں میں نے ایف آئی اے میں جمع کرادی ہیں۔ میرے بینک اکاؤنٹس کا ایک مختصر جائزہ بہت سی باتیں واضح کرسکتا ہے۔

فیصل بینک، اسٹرانگ پاؤنڈ اکاؤنٹ

2007ء:

جمع کرائے 30293

نکلوائے 21685

2008ء:

جمع کرائے 12033

نکلوائے 12004

2009ء:

جمع کرائے 16198

نکلوائے .... 2011.

2010ء:

جمع کرائے 88

نکلوائے 1018

آخری موجود بیلنس **21894**

کمرشیل بینک ملتان

2007ء:

جمع کرائے 4486239

نکلوائے 3693384

2008ء:

جمع کرائے 2660809

نکلوائے 3364179

2009ء:

جمع کرائے 2738802

نکلوائے 3808065

2010ء:

جمع کرائے 2779331

نکلوائے 1902622

آخری بیلنس **537095**

میرے اکاؤنٹس کی یہ تفصیل اگر میری کسی قسم کی بدعنوانی کی نشاندہی کرسکتی ہو تو میرے لیے وارنٹ حاصل کرنے کا جواز ہوسکتا ہے وگرنہ پتہ چلتا ہے کہ میری گرفتاری کے لیے کوشش دراصل بدنیتی پر مبنی ہے۔

(v) بینک میں بقیہ ٹرانزیکشن کے بارے میں مجھ سے سوالات ہوتے ہیں لیکن اس کے لیے کافی وقت چاہیے وہ اس لیے کہ بینک میں جن اکاؤنٹس سے رقم آئی ہے ان کے صرف نمبر ہیں نام نہیں۔ اب متعلقہ بینکوں سے ان اکاؤنٹس کے مالکان کے بارے میں تفصیل جمع کرنے کے لیے یقیناً وقت درکار ہے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ کیا یہ غیر معمولی کروڑوں کی ٹرانزیکشن ہیں جن کی وضاحت کے بغیر میری صفائی پیش نہیں کی جاسکتی۔

انتہائی اہم: ایف آئی اے کی رپورٹ میں واضح طور پر بتایا گیا ہے کہ میرے ایک بینک اکاؤنٹ میں -/272000 روپے ہیں اور دوسرے میں -/900000 روپے ہیں اور تیسرے میں -/21894 پاؤنڈ ہیں جبکہ اخبارات اور ٹی وی پر کروڑوں روپے بتائے گئے ہیں جو Balance نہیں بلکہ گزشتہ تین چار برسوں میں Total Transaction ہے۔ یہ وضاحت نہ ہونے سے مجھ پر بدعنوانی کے الزامات ثابت کرنے کی کوشش کی گئی۔ اس میں بھی ایف آئی اے کی بدنیتی ثابت ہوتی ہے۔

(vi) میرے اثاثوں میں جائداد میں غیر معمولی اضافہ ہوا ہے جو ڈکلیئر نہیں کیا گیا۔ جن میں تین مرلہ زمین ہے جو مجھے Inherit ہوئی ہے۔ 10 مرلہ زمین ہے جس کا ابھی مجھے خود علم نہیں ہے میں ملتان میں ایف آئی اے کے دفتر سے رابطہ کرنا چاہ رہا ہوں کہ مجھے ان دس مرلوں کے بارے میں معلومات مل سکیں تاکہ میں اس کی وضاحت کرسکوں۔

تیسری 66 کنال 4 مرلہ زمین ہے جو تحصیل صادق آباد، ضلع رحیم یار

خان کے ایک دوست زمیندار نے دینی مدرسہ کی تعمیر کے لیے ہبہ کی ہے۔ زمین کے کاغذات میں واضح طور پر Gift Deed بتایا گیا ہے اس کے مالک مولا داد نے باقاعدہ بیان حلفی بھی دے دیا ہے کہ یہ زمین میں نے عطیہ کی ہے، جامعہ کی تعمیر وہاں شروع ہے۔ میں نے اپنے ذاتی اثاثوں میں اس کا ذکر اسی لیے نہیں کیا تھا کہ میں اس کو اپنی ذاتی ملکیت نہیں کہتا۔ وہاں مدرسہ تعمیر ہو رہا ہے۔ اور مولا داد کا حج یا وزارتِ حج سے قطعاً تعلق نہیں ہے۔ یہ ٹور آپریٹر یا ٹریول ایجنٹ نہیں ہے سیدھا سادا زمیندار ہے۔

اس کے علاوہ ملتان کے نواح میں کوٹلہ ابوالفتح میں میرے بچوں کے نام پانچ کنال زمین اور جن پور تحصیل لیاقت پور ضلع رحیم یار خان میں بچوں کے نام ایک بیگھہ زمین ہے۔ پہلی بات تو یہ کہ یہ بیگھہ زمین 2008ء میں خریدی تھی۔ زرعی اراضی ہے جس کی مالیت ایک لاکھ روپے تھی اس کے علاوہ بچوں کے نام جو پانچ کنال زمین خریدی گئی اس کی کل مالیت تقریباً اٹھارہ لاکھ روپے بنتی ہے۔ اور یہ بھی 2009ء میں خریدی گئی تھی یعنی 2010ء کے حج سکینڈل سے اس کا کوئی تعلق نہیں تھا۔ میری بیوی ملتان کے معروف خاندان کے مشہور ''ملک نصیر بخش کھوکھر'' کی پوتی ہیں جن کے چار سو مربع زمین کے بارے میں دنیا جانتی ہے۔ میری بیوی کو ان کے خاندان سے ابھی وارثت کی تقسیم کے تحت زیادہ زمین تو نہیں ملی وہ اس لیے کہ ان کی والدہ الحمدللہ حیات ہیں اللہ ان کی عمر میں برکت دے۔ مگر ان کے حکم پر ایک باغ کی آمدنی ان کو آتی ہے۔ میں چونکہ اپنی بیوی کی وارثتی دولت پر اپنا حق نہیں سمجھتا اس لیے اس کے بارے میں کبھی دلچسپی ظاہر نہیں کی۔ ہماری بیگم نے اس رقم سے اپنے بچوں کے لیے یہ زمین خریدی ہے۔

لیکن سوال یہ ہے کہ تقریباً 19 لاکھ روپے کی یہ جائیداد 2008ء میں خریدی گئی میری کس بدعنوانی، کروڑوں اربوں روپے کی کرپشن کے ثبوت کے طور پر کیسے پیش کی جاسکتی ہے۔ آخر میں گزارش یہ ہے کہ میں نے ایف آئی اے سے کبھی عدم تعاون نہیں کیا۔ جب بھی مجھے بلایا گیا میں وہاں پہنچا۔ جو بھی سوال کیے گئے ان کے جوابات دیئے۔

27/ جنوری 2011ء کو سپریم کورٹ میں ایف آئی اے نے جو رپورٹ دی اس کے صفحہ نمبر 3 پر Para(d) میں لکھا ہے۔

(d) In view of the above, the role and involvment of Hamid Saeed Kazmi can not be ruled out. However, for initiating criminal action, efforts are being made a collect incriminating evidenc about receipt of alleged illegal grafication by him and for his family members.

میرا سوال یہ ہے کہ کیا ایف آئی اے کو کوئی ایسا ثبوت مل گیا ہے کوئی ایسی بات جس سے ثابت ہو کہ میں نے کوئی رقم وصول کی ہے۔ کوئی بدعنوانی کا شائبہ پایا جاتا ہے۔ کیا میں نے ہر قدم پر ایف آئی اے سے تعاون نہیں کیا پھر میری گرفتاری کے لیے وارنٹ حاصل کرنے کی کیا ضرورت اور کیا جواز ہے۔

سید صاحبزادہ حامد سعید کاظمی کا علماء و مشائخ کے نام خط

میں اس وقت کرپشن کے الزام میں زیر حراست ہوں۔ میرے آباؤاجداد کی کمائی ہوئی عزت داؤ پر لگی ہے مجھے اگر قتل کے الزام میں پھنسا دیا جاتا تو اتنی اذیت نہ ہوتی جتنی کرپشن کے الزام کے باعث ہو رہی ہے۔ یہ نہ صرف میرے خاندانی وقار کو مجروح کرنے کی سازش ہے بلکہ اولیا اور صوفیا کے وارثوں کو بدنام کرنے کا ایک ایسا منصوبہ ہے جس کی جڑیں دور تک پھیلی ہیں۔ مجھے اللہ کی رحمت اور آقا کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کرم سے یہ یقین ہے کہ بہت جلد میری بے گناہی پوری طرح آشکار ہوگی۔ میرے والد گرامی حضور غزالی زماں کی نسبت کے صدقے میں مجھے جو عزت ملی ہے وہ یہ دشمن کسی طرح چھین نہ پائیں گے۔ ملزم اور مجرم میں امتیاز کیے بغیر جو لوگ مجھ پر کیچڑ اچھال رہے ہیں وہ قدرت کے انتقام کا نشانہ ضرور بنیں گے۔

مجھ پر الزام تراشی فرقہ وارانہ تعصب کی بنیاد پر کی گئی ہے۔ اس سازش کے تانے بانے بین الاقوامی سطح پر بنے گئے۔ یہ تفصیل انشاء اللہ میں وقت آنے پر بیان کروں گا۔ اس وقت دو باتیں سمجھ لی جائیں تو میری بے گناہی پوری طرح واضح ہو جاتی ہے۔

پہلی بات یہ کہ مجھ پر الزام لگانے والے بنیادی طور پر صرف دو افراد ہیں ایک اعظم خان سواتی اور دوسرے عمر خان علی شیرزئی۔ اعظم سواتی کو سابقہ پیشی پر چیف جسٹس افتخار چودھری نے کہا ''ڈرامہ بازی بند کریں، آپ بیان دیتے ہیں، الزام لگاتے ہیں لیکن آج تک حامد سعید کاظمی کے خلاف کوئی ٹھوس ثبوت پیش نہیں کر سکے عدالت میں سیاسی پوائنٹ سکور کرنے کی اجازت نہیں دی جائے گی۔'' جب عدالت میں چیف جسٹس کہیں کہ حامد سعید کاظمی کے خلاف کوئی ٹھوس ثبوت پیش نہیں کیا جا سکا تو ان کی طرف سے لگائے ہوئے الزامات کا جواب دینے کی کیا ضرورت باقی رہ جاتی ہے لیکن تعجب یہ ہے کہ چیف جسٹس یہ بات کرنے کے بعد اعظم سواتی کے خلاف کارروائی کا حکم دینے کی بجائے ایف آئی اے کو ہدایت جاری فرماتے ہیں کہ حامد سعید کاظمی کی ضمانت منسوخ کرائی جائے۔ سپریم کورٹ کے اس فرمان کے بعد ماتحت عدالت میں کون مائی کا لعل میری ضمانت لے سکتا تھا۔

بہرحال الزام لگانے والا دوسرا شخص عمر خان شیر زئی ہے۔ جس نے ایف آئی اے کو بیان دیا کہ تبلیغی جماعت کے شیخ عبدالوہاب نے بتایا کہ حامد سعید کاظمی نے فی حاجی پچیس ہزار روپے کمیشن مانگا تھا۔ جب ایف آئی اے نے شیخ عبدالوہاب سے پوچھا تو انھوں نے اپنے بیان میں مکمل تردید کرتے ہوئے کہا کہ پوری زندگی میں میری حامد سعید کاظمی سے ملاقات نہیں ہوئی۔ یہ محض اخباری بیانات نہیں بلکہ ایف آئی اے نے کئی ماہ پہلے سپریم کورٹ میں جمع کرا دیئے ہیں۔ سپریم کورٹ نہ اعظم سواتی سے کچھ کہتی ہے اور نہ عمر خان علی شیر زئی سے جواب طلب کرتی ہے کہ یہ جھوٹا الزام کیوں لگایا گیا۔

دوسری بات یہ ہے کہ مجھ پر سب سے بڑا الزام یہ ہے کہ 'احمد فیض' کی ملازمت میری سفارش پر عمل میں آئی تھی اور چونکہ اس نے حاجیوں کے لیے عمارات کرائے پر لیتے ہوئے کروڑوں روپے کی خرد بُرد کی ہے اس لیے میں اس کرپشن میں شریک ہوں اگرچہ میں نے دستاویزی ثبوت پیش کر دیے ہیں کہ یہ الزام درست نہیں ہے۔ احمد فیض کی تقرری میں میرا ہاتھ نہیں ہے۔ لیکن بالفرض اگر یہ درست ہو تب بھی کیا اس بنیاد پر مجھے بدعنوانی کا مرتکب قرار دیا جاسکتا ہے۔ آج کل ملازمت عموماً سفارش کے بغیر نہیں مل پاتی تو کیا ہر گورنمنٹ ملازم کے کسی جرم کا الزام سفارش کرنے والے کو دیا جاسکتا ہے۔ اگر میں نے احمد فیض سے کوئی لین کیا ہوتا یا میرے بینک اِکاؤنٹس میں یا جائیداد میں اربوں یا کروڑوں کا کوئی ایسا اضافہ ہوا ہوتا جس کا ناطہ احمد فیض سے جوڑا جاسکتا ہے تب مجھے الزام دیا جاسکتا تھا اور اس کے بارے میں صفائی طلب کی جاسکتی تھی۔ لیکن بینک اِکاؤنٹس کی صورت یہ ہے کہ ایم این اے بننے سے پہلے ان میں رقم کہیں زیادہ تھی آج اس کے مقابلے میں نصف بھی نہیں ہے۔ ان اِکاؤنٹس کو دیکھ کر سپریم کورٹ برہمی کا اظہار کرتی ہے لیکن ان کے سامنے کون کہے کہ جناب حامد سعید کاظمی کے پلے بس یہی کچھ ہے۔ اگر اس سے بدعنوانی کا ثبوت نہیں ملتا تو ہم اپنی طرف سے گھڑ کر ثبوت کیسے پیش کریں۔

پھر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آخر سپریم کورٹ کو مجھ سے کیا عداوت ہے تو گزارش ہے کہ شروع میں جب ہر طرف حج کرپشن کا شور مچا اربوں روپے کے گھپلوں کا ہر طرف تذکرہ ہوا۔ ہر اخبار، ہر ٹی وی چینل پر یہی تذکرہ تھا تو سپریم کورٹ نے از خود نوٹس لے لیا۔ چیف جسٹس کی سربراہی میں آٹھ ججز کا لارجر بنچ بنا کر سماعت شروع کی گئی تو ان کا خیال تھا کہ اربوں روپے کی Recovery ہوگی۔ وفاقی وزیر اور نہ جانے کون کون اس الزام میں پکڑے جائیں گے۔ حج جیسے مقدس فریضے کے حوالے سے جب عوام کے اربوں روپے واپس ہوں گے تو سارا سہرا سپریم کورٹ کے سر ہوگا اور عوام میں واہ واہ کے ڈونگرے برسیں گے۔ لیکن یہ تحقیقات شروع ہوئیں تو پتہ چلا کہ ساری الزام تراشی تو فرقہ وارانہ بنیاد پر تھی۔ ان الزاموں کے پیچھے کوئی صداقت نہیں۔ اگر کرپشن ہوئی ہے تو اس کا رشتہ بھی حامد سعید کاظمی سے نہیں جوڑا جاسکتا۔ کرپشن کی تحقیقات بس ڈی جی حج تک خود نوٹس، آٹھ ججز کے لارجر بنچ کی تشکیل اور اس قدر شور شرابے کے بعد ماحاصل حصول کیا ہوا تو سوچ بچار کے بعد حامد سعید کاظمی کو قربانی کا بکرا بنایا گیا کہ ایک بار یہ گرفتار ہو جائے اس کیس کا چالان پیش ہو جائے، عدلیہ کے سر پر سہرا بندھ جائے کہ انھوں نے ایک سابق وفاقی وزیر کو پس دیوار زندان بھیج دیا ہے بے شک بعد میں ٹرائل کورٹ میں کیس چلتا رہے حامد سعید کاظمی کے خلاف ثبوت نہ ملیں اور ماتحت عدالت میں وہ باعزت بری ہو جائے لیکن اس وقت تو سپریم کورٹ کی جان چھوٹتی ہے اس لیے میں نے کہا تھا کہ میں سپریم کورٹ کی اَنا کا اسیر ہوں۔

جامعہ انوار العلوم ملتان کا سالانہ جلسہ ہو رہا ہے۔ علما و مشائخ کا ہجوم ہے۔ عوام کا جم غفیر ہے۔ میری آپ سے صرف یہ التجا ہے کہ میں ساری زندگی پابند سلاسل رہنے کے لیے تیار ہوں۔ ہر سزا بھگتنے کے لیے تیار ہوں لیکن جس سازش کے تحت میری خاندانی وجاہت اور میرے عظیم المرتبت والد حضور غزالی زماں کی کمائی ہوئی عزت کو داغدار کیا گیا ہے اس مجرمانہ کوشش کا ازالہ ضرور ہونا چاہیے۔ اس ازالے کے لیے میں آپ سے اور کچھ نہیں مانگتا۔ کوئی سوال نہیں کرتا۔ محسن پاکستان، فخر عالم اسلام جناب ڈاکٹر عبدالقدیر خان نے گواہی دی تھی کہ ''حامد سعید کاظمی کی بے گناہی ثابت کرنے کے لیے اگر آپ کہیں تو میں آگ میں ہاتھ ڈالنے کے لیے تیار ہوں اور حامد سعید کاظمی کی بے گناہی کی قسم بیت اللہ اور مسجد نبوی میں کھڑے ہو کر کھانے کے لیے تیار ہوں۔'' اے علماء و مشائخ! اگر آپ کا ضمیر اور اگر آپ کا شعور گواہی دے کہ میں نے حاجیوں کے مال میں لوٹ مار نہ کی ہوگی اگر آپ دل کی گہرائی سے اور فکر و ہوش کی تمام تر صداقتوں کے ساتھ اللہ کو گواہ بنا کر میری صفائی پیش کر سکتے ہیں تو پھر مجھے کوئی اور مدد درکار نہیں خواہ پھر یہ ماتحت عدالتیں سپریم کورٹ کے خوف سے یا ایف آئی اے کسی کے دباؤ میں آ کر میرے خلاف کچھ بھی کرتے پھریں مجھے کوئی فرق بھی نہیں پڑے گا۔ آپ کی نگاہوں میں میرے لیے اگر عزت اور محبت ہوگی تو میں قید و بند کی صعوبتیں بآسانی برداشت کرلوں گا۔'' □□

(بشکریہ ایمز انٹرنیشنل، اگست 2011ئ)

فرحت حسین خوشدل کی حمدیہ ونعتیہ شاعری پر ایک نظر

ناوکؔ حمزہ پوری☆

حضرت سید علی مرحوم بھاگلپوری کے پختہ عمر صاحبزادے جناب محمد فرحت حسین خوشدل صاحب بسلسلۂ ملازمت (معلّمی) ہزاری باغ میں مقیم ہیں اور نظم ونثر میں اپنی پوری توانائی کے ساتھ انکشافِ ذات اور اسرارِ کائنات کے رازہائے سربستہ کے رموز ونکات پر روشنی ڈالنے کی سعی بلیغ فرمارہے ہیں۔

وقتاً فوقتاً کئی معروف اور غیر معروف اساتذہ وصاحبِ نظر معاصرین سے استفادہ کرتے رہے ہیں۔ یہ ان کی کشادہ دلی ہے کہ وہ اس خاکسار کو بھی اپنے استادوں میں شمار کرتے ہیں۔ جبکہ اس خاکسار کا رویہ اب یہ ہوگیا ہے کہ کسی کو شاگرد کہتے خوف کھاتا ہوں۔ پتہ نہیں یہ شخص کتنی دور ساتھ چلے اور کب ایک جھٹکے کے ساتھ جدا ہوجائے کوئی ٹھکانہ نہیں۔ یوں روایتی طور طریقے کے مطابق یہ میرے شاگرد ہیں بھی نہیں۔ بس کبھی کبھار فون پر کسی لفظ کی صحت کے بارے میں یا کسی شعر کے وزن کے بارے میں کچھ پوچھ لینا شاگردی کے زمرے میں نہیں آتا۔

پھر یہ ہوا کہ پچھلے برس جون 2009ء کے مہینے میں جنابِ خوشدل اپنی حمد ونعت کے ضخیم مجموعوں کا مسودہ لیے آدھمکے۔ خوشدل تو وہ ہیں لیکن اس خاکسار نے بھی خوشدلی کا مظاہرہ کرتے ہوئے انھیں اپنا مہمان کیا۔ پھر وہ سناتے رہے۔ کھری کھری تو سنتا رہا اور واہ واہ کرتا رہا لیکن کھوٹی پر اپنی بساط بھر رائے زنی کرتا رہا۔ باوجودیکہ وہ دو دن رات ٹکے رہے لیکن مجموعوں کی ضخامت کی وجہ سے کام مکمل نہ ہوسکا اور انھیں وہ چھوڑ کر چلے گئے۔ اپنی بساط بھر ان کی صفائی ستھرائی کرکے انھیں واپس بھیج دیا۔

مجموعہ چھپوانے کی باری آئی تو نعتیہ مجموعے کا نہ صرف نام تجویز کرنے کی گزارش کی بلکہ چند سطور برائے ابتدائیہ بھی لکھ دینے کی فرمائش دی۔ میں نے انھیں مایوس نہیں کیا۔

اب ماشاءاللہ ان کی دونوں کتابیں چھپ کر آگئی ہیں اور وہ ان کی رسمِ اجرا کرنے کے انتظامات میں لگے ہوئے ہیں۔ اس خاکسار کو مدعو کیا تھا۔ میں نے انھیں کہہ دیا کہ میرا آنا اور جانا کیا ہے، آجاؤں گا لیکن اچھا ہوگا کہ کسی معقول بزرگ نیز معتبر صاحبِ قلم کو بلوالو۔ ''راہ بتاؤ تو آگے چل'' کے مصداق ایسے کسی بزرگ کے نام کی تجویز بھی انھوں نے اس خاکسار پر ہی چھوڑ دی تو میں نے حضرت پروفیسر ڈاکٹر طلحہ رضوی برقؔ کو بلوانے کو کہہ دیا اور یہ سن کر خوشی ہوئی کہ انھوں نے اپنی شرکت کی حامی بھردی ہے۔

اب حضرت خوشدل کا ارشاد ہے کہ نعتیہ شاعری کے لیے تو مختصر ہی سہی آپ نے لکھ دیا ہے، حمدیہ شاعری پر بھی کچھ نہ کچھ ضرور ساتھ لائیے۔ یہ چند سطور انھیں کی ہٹ دھرمی کی نشانی ہیں۔ ورنہ میری بساط کیا۔ معتبر ناقدین دیکھیں گے اور اپنی رائے ظاہر کریں۔ میں تو خوشدل صاحب کے جرم میں شرکت دار ہوں۔ اب دیکھیے کہ اس وقت جب کچھ لکھنے کے ارادے سے کتاب کھولی تو خود بخود صفحہ 76 سامنے آگیا۔ اس کے ایک شعر پر نگاہ گئی:

میرے لفظ وبیاں ہیں سب محدود　　　تیری بخشش ہے مجھ پہ لامحدود

تو ظاہر ہے کہ قوافی غلط ہیں اور اس کے ذمہ دار صرف خوشدل نہیں میں بھی ہوں۔

جہاں تک موضوع کا تعلق ہے جب مولا تعالیٰ نے فرمادیا ہے کہ تمام چھوٹے بڑے دریا اور سمندروں کے تمام پانی کو سیاہی کے طور پر استعمال کیا جائے اور تمام روئے زمین پر اگنے والے اشجار کی شاخوں کے قلم تراش کر بھی اس معبودِ مطلق کی حمد وثنا لکھی جائیں تو تمام قلم بھی گھس کر ختم ہوجائیں گے اور تمام سیاہیاں بھی ناکافی ٹھہریں گی مگر اللہ کی حمد کا حق ادا نہ ہوگا۔ ایسے میں کیا یہ خاکسار اور کیا میاں خوشدل یا کوئی اور۔ کیا پدی کیا پدی کا شوربا؟ کوئی کس منہ سے کہے گا کہ حق ادا ہوگیا۔ لیکن ایسی صورتِ حال سے بددل ہوکر ہمت ہار جانا بھی تو نامرادی اور نامردی دونوں ہے۔ اس لیے میاں خوشدل ہمت کے ساتھ ڈٹے ہوئے ہیں تو انشاءاللہ کچھ کام تو ہوگا ہی، اور کام جس قدر ہوا انشاءاللہ ان کا نام تو اس مجموعے کے چھپنے سے پہلے ہی ادبی دنیا میں روشن ہوگیا۔ نیز اگر ان کے لکھنے کی رفتار یہی رہ گئی تو انشاءاللہ یہ ریکارڈ قائم کریں گے اور امید تو یہ بھی ہے کہ بڑے بڑے ناموروں کو پیچھے چھوڑ جائیں گے۔ بھلا جو شاعر دن بھر میں پانچ پانچ حمدیہ ونعتیہ نظمیں لکھ رہا ہو، اسے پانچ سات برس کا وقت بھی اگر بفضل الٰہی مل گیا تو وہ کہاں

☆ 'دارالادب'، حمزہ پور، شیرگھاٹی، گیا–824211 (بہار) موبائل:09973046607

ہوگا؟ یہ اندازہ لگانے کی بات ہے۔

ہر چند مجھے یہ تسلیم کرنے کی جرأت نہیں ہوتی کہ میں ان کا استاد ہوں اس لیے کہ وہ خود ماشاءاللہ ہر جہت سے بڑے استاد ہیں لیکن ان سے محبت ضرور کرتا ہوں اور ان کی تمام تر خامیوں سے واقف ہونے کے باوجود ان سے محبت کرتا ہوں۔ فقیروں کا رویہ یہ ہے یا کم از کم یہ ہونا چاہیے کہ وابستگان کی تعلیم سے زیادہ ان کی تربیت کی طرف متوجہ ہو۔ میں بفضل خدا ان کے ساتھ یہی کر رہا ہوں۔ چنانچہ جب انھوں نے حمدیہ مجموعے کا نام دریافت کیا تو اس خاکسار نے 'اَلْحَمْدُ لِلّٰہ' بتادیا۔ یوں ہی نہیں بتادیا، صاحبِ نظر جانتے ہیں کہ شاعری فی نفسہٖ کوئی بھلی چیز نہیں اور یقیناً اگر مولیٰ تعالیٰ وَالشُّعَرَاءُ یَتَّبِعُھُمُ الْغَاوٗن کے ساتھ ساتھ اِلَّا الَّذِیْنَ آمَنُوْا ذَکَرُوا اللّٰہَ کَثِیْراً نہ فرماتا تو یہ نامراد تمام مومن شعرا کے لیے حرام ٹھہرتی۔ یوں اَلْحَمْدُ لِلّٰہ سے زیادہ بامعنی اور ترغیبی نام اور کیا ہوگا۔ اب حمد و مناجات میں بھی میں یہ چاہتا ہوں کہ انھیں اس درجہ پر فائز دیکھوں جہاں حمد و مناجات میں صرف اللہ کی بزرگی اور بڑائی کا بیان ہو اور دُعا کے سلسلے میں صرف اپنی کی گئی یا نادانستہ سرزد ہوگئی غلطیوں اور گناہوں کی بخشش کی دعا کی جائے اور یہ کہ انھیں گناہوں سے بچتے رہنے کی توفیق طلب کی جائے یعنی کل ملا کر نجاتِ اُخروی مرکوزِ نظر رہے۔ دھن دولت آل اولاد سب فتنے ہیں۔

جب نعتیہ مجموعۂ کلام کا نام انھوں نے پوچھا اور اپنی پسند کے چند نام بتائے کہ فلاں صاحب نے فلاں نام لکھا ہے، فلاں صاحب نے فلاں نام رکھا ہے تو اس فقیر نے بغیر وقت ضائع کیے مشورہ دیا آپ اس مجموعے کا نام 'سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا' رکھیے۔ اور ظاہر ہے کہ اس نام سے جو سبق میں انھیں پڑھانا چاہتا ہوں اس کا کچھ بیان تو ان کے لیے پہلے ہی لکھ دیے ہیں جو ان کے مجموعے میں شامل ہیں۔ میں یہ چاہتا ہوں کہ نعت شریف کے الفاظ فقط ان کی زبان سے ادا نہ ہوں۔ انھیں رسول سے ایسی محبت ہو جائے کہ ان کے ہر عمل سے اتباعِ سنتِ رسول کی پیروی ظاہر ہو۔ چنانچہ جب رسمِ اجرا کے سلسلے میں انھوں نے مشاعرے کے لیے 'طرح' کی فرمائش کی تو میں نے برجستہ بتادیا کہ:

نعتِ نبی بجائے غزل بولنے لگے

مجھے شرم آتی ہے کہ وہ کیسا مسلمان ہے جسے سیرتاً اور صورتاً دیکھ کر ہر انجان بھی یہ نہ کہہ اُٹھے کہ یہ مسلمان ہے مومن ہے۔ یہ تمام نعت گو مسلم شعرا کے تعلق سے میری منزل ہے۔ □□

بقیہ:—— مکالمہ بین المذاہب

سماج کا حصہ ہیں۔ اس پہلو سے ان کے مشترک مسائل بھی ہیں۔ ان میں سے ہر ایک کی ضرورت ہے کہ ملک میں امن و امان ہو، فکر و عمل کی آزادی ہو، ملک کی فلاح و بہبود اور ترقی کے لیے کام کے مواقع حاصل ہوں، انسان حقوق کی پامالی نہ ہو، عدل و انصاف کے تقاضے پورے کیے جائیں، سب کے ساتھ مساوی سلوک کیا جائے، غربت اور جہالت ختم ہو، طبّی سہولتیں حاصل ہوں، صفائی ستھرائی کا اہتمام ہو اور فضائی آلودگی پر قابو پایا جائے۔ اس نوعیت کے اور بھی مسائل ہو سکتے ہیں۔ اس طرح کے مسائل پر قابو پانے کے لیے معاشرے میں بیداری لانے، ان کے حق میں فضا بنانے اور بسا اوقات قانونی جدوجہد کی ضرورت ہوتی ہے۔ اسی طرح ان مسائل کا تعلق حکومت سے بھی ہے، اس کے لیے اسے متوجہ کرنا اور اس پر اثر انداز ہونا پڑتا ہے، اس کے لیے تکثیری معاشرے مشترکہ جدوجہد کا تقاضا کرتے ہیں۔ اسی سے بہتر نتائج کی توقع کی جاسکتی ہے۔

اسی طرح موجودہ مادّہ پرست تہذیب نے اباحیت کو اس قدر فروغ دیا ہے کہ انسان اپنی جنسی خواہش کی تکمیل کے لیے کوئی بھی بندش گوارا نہیں کرنا چاہتا، ہر طرف بے حیائی اور عریانی کی فضا ہے، زنا اور بدکاری عام ہو رہی ہے، نشہ آور چیزوں کا استعمال بڑھ رہا ہے۔ اس کے نتیجہ میں خاندان انتشار اور تباہی کا شکار ہو رہے ہیں اور طرح طرح کے امراض پھیل رہے ہیں۔ دنیا کا کوئی بھی مذہب زنا، بدکاری، بے حیائی اور منشیات کے استعمال کو صحیح نہیں سمجھتا۔ اس کے خاتمہ کے لیے مشترک کوشش ہونی چاہیے۔

مذاہب کے درمیان ایک قدر مشترک اخلاقیات ہے۔ صداقت اور راست گوئی، عفت و عصمت، دیانت و امانت، باہم الفت و محبت، رشتوں کا احترام، غریبوں، ناداروں، مریضوں اور معذوروں کے ساتھ ہمدردی اور ان کی خبر گیری، تعصب اور نفرت سے اجتناب، کسی کے حق پر دست درازی اور ظلم و زیادتی کا خاتمہ، اس طرح کی اخلاقیات کی اہمیت تمام مذاہب تسلیم کرتے ہیں اور ان کے مخالف رویہ کو صحیح نہیں سمجھتے۔ اس کے لیے کہیں کہیں کوشش بھی ہوتی ہے۔ اسلام سماج میں اخلاق کو فروغ دینا چاہتا ہے، اس کے لیے اس کا اپنا ایک طریقہ اور لائحۂ عمل بھی ہے، لیکن اس کے ساتھ اخلاق کو عام کرنے کی جو کوشش ہو اس میں وہ اپنے اصول کے تحت شریک ہو سکتا ہے اور اس کے لیے مشترکہ جدوجہد بھی کر سکتا ہے۔ □□

(بہ شکریہ سہ ماہی 'تحقیقاتِ اسلامی' علی گڑھ، جولائی تا ستمبر 2010ء)

شیخ محقق اور مجدد الف ثانی

شیخ محقق اور مجدد الف ثانی رحمہما اللہ تعالیٰ علیہما اپنے عہد کی جلیل القدر شخصیات تھیں۔ دونوں حضرات کا زمانہ بھی ایک ہے اور ماہ وصال بھی ایک۔ دونوں حضرات نے اپنے عہد مبارک میں اسلام کی تقویت، بدعات و منکرات کے سدّباب کے لیے جو زبردست مجاہدانہ کردار ادا کیا اسے ہمیشہ یاد رکھا جائے گا۔ اس شمارے میں خصوصی موضوع کے تحت ذیل میں ہندوپاک کے دو معروف اصحابِ قلم کی جامع تحریریں شامل اشاعت کی جارہی ہیں۔ (ادارہ)

خصوصی موضوع

شیخ محقق حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی

حیات، خدمات اور افکار و نظریات

مولانا عبدالحکیم شرف قادری☆

امام اہلِ سنت، شیخ عبدالحق محدثِ دہلوی، شہر دہلی، 958ھ-1551ء میں پیدا ہوئے۔ اُن کے آباواجداد میں سے آغا محمد ترک بخاری، سلطان محمد علاء الدین خلجی کے زمانے میں بخارا سے ہجرت کر کے دہلی میں وارد ہوئے اور بلند و بالا مناصب پر فائز رہے۔ بخارا سے ہجرت کے وقت متعلقین اور مریدین کی ایک جماعت اُن کے ہمراہ تھی۔ (تکملہ اخبار الاخیار، شیخ محقق عبدالحق محدث دہلوی، طبع مجتبائی، دہلی، ص289)

آپ کے والد ماجد شیخ سیف الدین دہلوی شعروسخن کا ذوق رکھنے والے عالم اور صاحبِ حال بزرگ تھے۔ سلسلۂ عالیہ قادریہ میں شیخ امان اللہ پانی پتی کے مرید اور خلیفۂ مجاز تھے۔ (حیات عبدالحق محدث دہلوی، خلیق احمد نظامی، ندوۃ المصنفین، دہلی، ص66-67)

حضرت شیخ نے 'تکملۂ اخبار الاخیار' میں ان کے متعدد ملفوظات نقل کیے ہیں، چند ایک ملاحظہ ہوں:

(1) مجھے ان لوگوں پر حیرت ہے جو مخلوق کے لیے کام کرتے ہیں تاکہ ان کے نزدیک اہمیت حاصل کریں۔ کام کا تعلق صرف اللہ تعالیٰ سے ہے، مخلوق سے کیا کام؟

(2) جب دیکھا جاتا ہے کہ علما اور فضلا جاہ و عزت اور کثرتِ اسباب کے حاصل کرنے اور مال و دولت کے جمع کرنے میں مخلوقِ خدا کے ساتھ اُلجھتے ہیں اور لڑائی تک پہنچ جاتے ہیں، تو میں شکر کرتا ہوں کہ میں نے زیادہ نہیں پڑھا اور اکابر میں سے نہیں ہوا۔

(3) (شیخ محقق فرماتے ہیں کہ مجھے والدِ گرامی نے کئی دفعہ فرمایا) کسی شخص کے ساتھ علمی بحث میں جھگڑا نہ کرنا اور کسی کو تکلیف نہ دینا، اگر تمھیں معلوم ہوجائے کہ حق دوسری جانب ہے، تو قبول کرلینا، ورنہ دو تین بار کہنا اگر نہ مانیں تو کہنا کہ بندہ کو اسی طرح معلوم ہے، جو کچھ آپ کہتے ہیں، وہ بھی ہوسکتا ہے۔ جھگڑا کس بات کا؟

(4) اگر تمھیں اپنے پیر اور استاد سے محبت اور عقیدت ہو تو اس سلسلے میں کسی سے لڑائی نہ کرو اور تعصب اختیار نہ کرو، یہ محبت کا کام ہے، جسے محبت نہ ہو، وہ کیا کام کرے گا؟ (فائدہ: بزرگوں کی عقیدت، محبت اور پیروی میں ہے، تم جو جنگ کررہے ہو، وہ اپنے نفس کے لیے ہے، نہ کہ بزرگوں کے لیے)۔

(5) طریقت کے بہت سے معاملات ہیں، جنھیں اس راہ کے اصحابِ ہمت ادا کرتے ہیں۔ حقیقت کا اصل کام یہ ہے کہ ہر وقت اس حقیقت کو پیش نظر رکھے کہ اللہ تعالیٰ تمام اشیا کے ساتھ ہے۔ ایک لحظہ بھی اس خیال سے غافل نہ رہے، دست در کار و دل بایار۔ (تکملہ اخبار الاخیار، شیخ محقق عبدالحق محدث دہلوی، طبع مجتبائی، دہلی، ص292-93)

شیخ محقق نے نہ صرف ان کی نصیحتوں کو عمر بھر یاد رکھا، بلکہ ان پر عمل پیرا بھی رہے۔

شیخ سیف الدین دہلوی 27/شعبان المعظم 990ھ/1582ء کو پاس

☆ پاکستان

انفاس میں مشغول تھے، اسی حالت میں رحمتِ حق کی آغوش میں پہنچ گئے۔

تحصیلِ علم:

حضرت شیخ محقق کو اللہ تعالیٰ نے ابتدا ہی سے عقل سلیم اور فہم و دانش کا وافر حصہ عطا فرمایا۔ حافظہ حیرت انگیز حد تک قوی تھا، خود فرماتے ہیں:

''دو اڑھائی سال کی عمر میں دودھ چھڑائے جانے کا واقعہ مجھے اس طرح یاد ہے جیسے کل کی بات ہو۔''

والد ماجد نے ظاہری اور باطنی تربیت پر بھر پور توجہ دی، دو تین ماہ میں قرآن پاک پڑھا دیا۔ پھر حضرت شیخ محقق عبدالحق علوم دینیہ حاصل کرنے لگے۔ جب عربی نصاب اور منطق و کلام کی کتابوں تک پہنچے تو ماوراء النہر کے دانشوروں کے پاس حاضر ہوئے اور ساتھ آٹھ سال دن رات محنت کر کے علومِ دینیہ حاصل کیے۔ شیخ نے اپنے اساتذہ کے نام نہیں لکھے۔ ذوق وشوق اور علمی انہماک کا یہ عالم تھا کہ ہر روز اکیس بائیس گھنٹے پڑھنے اور مطالعہ میں صرف کرتے۔

اپنی محنتِ شاقہ کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''اگر اتنا ذوق وشوق مولیٰ تعالیٰ کی طلب اور باطن کی ریاضت میں ہوتا تو معاملہ کہاں تک پہنچتا۔''

ذکاوت و فطانت کا یہ عالم تھا کہ دورانِ سبق عجیب عجیب بحثیں اور مفید باتیں ذہن میں آتیں، اساتذہ کے سامنے پیش کرتے، تو وہ کہتے:

''ہم تم سے استفادہ کرتے ہیں اور ہمارا تم پر کوئی احسان نہیں ہے۔''

(اخبار الاخیار، شیخ محقق عبدالحق محدث دہلوی، ص 302)

سترہ سال کی عمر میں اس وقت کے مروّجہ علوم سے فارغ ہو گئے۔ بعد ازاں ایک سال میں قرآن پاک یاد کر لیا۔ فارغ التحصیل ہونے کے بعد کچھ عرصہ درس و تدریس میں مشغول رہے۔

شیخ محقق 996ھ، 88-1587ء میں حجازِ مقدس پہنچے، 999ھ، 1590ء تک وہیں قیام کیا۔ اس دوران حج و زیارت کے علاوہ مکہ مکرمہ میں شیخ عبدالوہاب متقی کی خدمت میں حاضر ہو کر علمی اور روحانی استفادہ کیا۔ مشکوٰۃ شریف کے علاوہ تصوف کی کچھ کتابیں پڑھیں۔ اسی اثنا میں شیخ سے اجازت لے کر مدینہ منورہ حاضر ہوئے۔ 23/ربیع الثانی 997ھ سے آخر رجب 998ھ تک وہاں قیام کر کے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی نوازش ہائے بے پایاں سے فیض یاب ہوئے۔ شیخ محقق فرماتے ہیں:

''اس فقیر حقیر نے حضرت خبیر بشیر نذیر صلی اللہ علیہ وسلم سے جو انعام و اکرام کی بشارتیں پائی ہیں، ان کی طرف اشارہ نہیں کر سکتا۔'' (اخبار الاخیار، شیخ محقق عبدالحق محدث دہلوی، ص 304)

بیعت و خلافت:

حضرت شیخ محقق کو بچپن ہی سے عبادت و ریاضت کا بے حد شوق تھا۔ جوں جوں عمر میں اضافہ ہوتا گیا، یہ شوق بھی بڑھتا گیا۔ یہاں تک کہ اپنے زمانے کے اولیائے کاملین میں شمار ہوئے۔ ابتداءً والد ماجد کے دستِ مبارک پر بیعت ہوئے۔ پھر اُن کے ایما پر سلسلۂ عالیہ قادریہ میں حضرت موسیٰ پاک شہید ملتان (م 1001ھ) کے دستِ اقدس پر بیعت ہوئے اور ان کے فیوض و برکات سے مستفید ہوئے۔ مکہ معظّمہ میں حضرت شیخ عبدالوہاب متقی رحمہ اللہ تعالیٰ سے بیعت کی، ارشاد و سلوک کی منزلیں طے کیں اور شیخ نے انھیں چار سلسلوں چشتیہ، قادریہ، شاذلیہ اور مدنیہ کی اجازت عطا فرمائی۔

شیخ محقق ہندوستان واپس آئے تو سلسلۂ قادریہ میں بیعت اور خلافت رکھتے ہوئے، سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ میں عارفِ کامل حضرت خواجہ باقی باللہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے دستِ حق پرست پر بیعت ہوئے۔ جناب محمد صادق ہمدانی نے ''کلمات الصادقین'' میں لکھا ہے کہ شیخ محقق نے حضرت شیخ سیّد عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے روحانی اشارے پر یہ بیعت کی تھی۔

(حیات شیخ عبدالحق محدث دہلوی، خلیق احمد نظامی، ص 137)

تصانیف:

حضرت شیخ محقق نے اپنی حیاتِ مبارکہ کا اکثر و بیشتر حصہ تصنیف و تالیف میں بسر کیا۔ ان کی تصانیف دُنیا بھر میں قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہیں، فنی اعتبار سے ان کی تصانیف درج ذیل عنوانات کے تحت آتی ہیں:

10) تفسیر (2) تجوید (3) حدیث (4) عقائد (5) فقہ (6) تاریخ (7) تصوف (8) نحو (9) اخلاق (10) اعمال (11) منطق (12) سیر (13) ذاتی حالات (14) خطبات (15) اشعار (16) مکاتیب وغیرہ۔ (خلیق احمد نظامی، حیات شیخ عبدالحق محدث دہلوی، ص 160)

حضرت شیخ محقق قدس سرہٗ کی تصانیف ساٹھ ہیں۔ چند مشہور تصانیف کے نام درج ذیل ہیں:

(1) **اشعۃ اللمعات**: مشکوٰۃ شریف کا فارسی میں ترجمہ اور شرح، چار جلدوں پر مشتمل ہے۔ اُردو میں اس کے ترجمہ کی شدت سے ضرورت محسوس کی جا رہی تھی، چنانچہ مولانا محمد سعید احمد نقشبندی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے پہلی دو جلدوں کا ترجمہ تین جلدوں میں کیا، ان کی علالت اور پھر وصال کے سبب یہ کام راقم کے ذمے لگا راقم نے ترجمہ کی چوتھی اور پانچویں جلد مکمل کر لی

ہے، چھٹی جلد مولانا مفتی محمد خان قادری کے تعاون سے مکمل ہوگئی ہے، یہ چھ جلدیں چھپ چکی ہیں، ایک جلد مزید ہوگی جو زیر تکمیل ہے۔ یہ سب کام فرید بک اسٹال، لاہور کے زیر اہتمام ہورہا ہے۔

(2) **لمعات التنقیح فی شرح مشکوٰۃ المصابیح**: (عربی) اس کی چار جلدیں لاہور سے طبع ہوچکی ہیں۔

(3) **شرح سفر السعادۃ**: (فارسی)

(4) **مدارج النبوۃ**: (فارسی) سیرتِ طیبہ کی اہم ترین اور لافانی کتاب

(5) **اخبار الاخیار**: (فارسی) ہندوستان کے علما اور مشائخ کا مستند تذکرہ۔

(6) **جذب القلوب الیٰ دیار المحبوب**: (فارسی) تاریخِ مدینہ کے نام سے اس کا ترجمہ چھپ چکا ہے۔

(7) **زبدۃ الاسرار**: (عربی) مناقب سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ تعالیٰ تلخیص بہجۃ الاسرار۔

(8) **زبدۃ الآثار**: (فارسی) زبدۃ الاسرار کا ترجمہ مع اضافات۔

(9) تکمیل الایمان (فارسی) اسلامی عقائد اور مسلک اہلِ سنت و جماعت

(10) **شرح فتوح الغیب**: (فارسی) سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ تعالیٰ کی تصنیف مبارک فتوح الغیب کی شرح۔ (عربی)

(11) **ماثبت بالسنّۃ**: (عربی) بارہ مہینوں کے اسلامی معمولات، کتاب و سنت اور طریق اسلامی کی روشنی میں۔

پروفیسر خلیق احمد نظامی نے ڈاکٹر زبید احمد کے حوالے سے شیخ محقق کی تصانیف میں الاکمال فی اسماء الرجال کا بھی ذکر کیا ہے اور ساتھ ہی یہ بھی کہا ہے کہ فہرس التوالیف میں اس کا ذکر نہیں ہے، حالانکہ الاکمال امام ولی الدین رحمہ اللہ تعالیٰ صاحبِ مشکوٰۃ کی تصنیف ہے اور مشکوٰۃ شریف کے آخر میں چھپی ہوئی عام دستیاب ہے۔

(12) **تحصیل التعرف فی معرفۃ الفقہ والتصوف**: (عربی) یہ کتاب دو قسموں پر مشتمل ہے۔ پہلی قسم: تصوف کی تعریف اور اس کی اہمیت بیان کرنے کے بعد شیخ احمد زروق کی کتاب ''قواعد الطریقۃ'' کے اٹھائیس قواعد کی شرح جن میں علمائے ظاہر و باطن کے درمیان مفاہمت کی راہنمائی ہے۔ دوسری قسم: فقہ حنفی کی اہمیت اور برتری کے بیان کے ساتھ سیّدنا امام اعظم، امام احمد بن حنبل اور سیدنا غوث اعظم کا تذکرہ۔

(13) **فتح المنّان بتائید مذہب النعمان**: مذہب حنفی کے قرآن پاک اور قوی احادیث سے دلائل۔

(14) **رسالہ ضرب الاقدام**: پیر عبدالغفار کشمیری ثم لاہوری نے ۱۳۴۹ھ میں پانچ رسائل کا مجموعہ شائع کیا تھا، اُن میں ایک رسالہ ضرب الاقدام بھی ہے، اس کی ابتدا میں لکھا ہے:

رسالہ ضرب الاقدام

من تصنیف زبدۃ المحققین شیخ عبدالحق دھلوی رحمۃ اللّٰہ تعالیٰ علیہ.

اس رسالے میں حضرت شیخ محقق نے صلوٰۃ غوثیہ کا ثبوت اور جواز پیش کیا ہے۔

وصال:

21 ربیع الاوّل 1052ھ/ 1642ء کو آسمانِ علم و معرفت کا نیر درخشاں، احادیثِ نبویہ کا عظیم شارح، دینِ اسلام اور مقامِ مصطفیٰ کا محافظ اور مسلکِ اہلِ سنت کا پاسبان، دنیا والوں کی نگاہوں سے روپوش ہوکر دہلی کے ایک گوشے میں محوِ استراحت ہوا۔ رحمہ اللہ تعالیٰ وقدس سرہٗ۔

شیخ محقق کی دینی و علمی خدمات:

حضرت شیخ محقق رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی طویل زندگی دینِ اسلام کے تحفظ اور اس کا پیغام عام کرنے اور مقامِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کرنے میں صرف کردی۔ دینِ متین کے خلاف اُٹھنے والے نئے نئے فتنوں کی مؤثر سرکوبی کی اور مسلکِ اہلِ سنت و جماعت کی شاندار ترجمانی کی، بالخصوص عقیدۂ ختم نبوت پر ڈاکہ ڈالنے والوں کے خلاف علمی و قلمی جہاد کیا۔

اُس دَور میں مہدوی تحریک عروج پر تھی، جس کا آغاز سنت کی ترویج اور بدعت کے خاتمہ سے متعلق تھا۔ بعدازاں مہدویت کا تصور اس سطح تک پہنچا کہ دینِ اسلام کے قطعی عقیدے ختم نبوت سے ٹکرا گیا، اس تحریک کا بانی سید محمد جونپوری کہتا تھا کہ ہر وہ کمال جو حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل تھا، وہ مجھے بھی حاصل ہوگیا ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ وہ کمالات وہاں اصالتہً تھے اور یہاں تبعاً ہیں۔ اتباعِ رسول اس درجہ کو پہنچ گئی ہے کہ اُمتی نبی کی مثل ہوگیا ہے۔ علامہ ابن حجر مکی، حضرت علی متقی اور شیخ محقق شیخ عبدالحق محدث دہلوی (رحمہم اللہ تعالیٰ) نے اس تحریک کی شدید مخالفت کی اور مقامِ مصطفیٰ کے تحفظ کا فریضہ انجام دیا۔

پروفیسر خلیق احمد نظامی لکھتے ہیں:

''اگر سولھویں اور سترھویں صدی کی مختلف مذہبی تحریکوں کا بغور تجزیہ کیا جائے، تو یہ حقیقت واضح ہوجائے گی کہ اس زمانے کا سب سے اہم مسئلہ پیغمبر اسلام کا صحیح مقام اور حیثیت متعین کرنا اور برقرار رکھنا تھا۔ تصور

امام، عقیدۂ مہدویت، نظریۂ الفی (دینِ اسلام کی عمر صرف ایک ہزار سال ہے۔ قادری) دینِ الٰہی، یہ سب تحریکیں پیغمبر اسلام (علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مخصوص مقام اور مرتبہ پر کسی نہ کسی طرح ضرب لگاتی تھیں۔ شیخ عبدالحق کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ انھوں نے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے اعلیٰ وارفع مقام کی پوری طرح وضاحت کردی اور اس سلسلہ کی ہر ہر گمراہی پر شدت سے تنقید کی۔ (حیات شیخ عبدالحق محدث دہلوی، پروفیسر خلیق احمد نظامی، ص272)

یہ وہ دور تھا کہ علما بدعتیوں کی سرپرستی کرتے تھے اور فسق و فجور کی حوصلہ افزائی کرتے تھے۔ صوفیائے خام نے طریقت کو شریعت سے الگ کرکے تصوف کا حلیہ بگاڑ دیا تھا، ایسے علما مشائخ کی بے ہودگیوں نے اکثر بادشاہ کو دین سے برگشتہ کردیا تھا، ورنہ بقول شیخ محقق ایک وقت وہ تھا کہ:

''بادشاہ اتباعِ شریعت اور عبادت کا پابند تھا، وہ مشائخ کا بہت عقیدت مند تھا، اور ایک وقت تک خطبہ بھی خود پڑھا کرتا تھا۔'' (رسالہ ضرب الاقدام، شیخ محقق عبدالحق محدث دہلوی، مطبع نامی گرامی اسلامی، ص27)

پھر ایسا برگشتہ ہوا کہ دن بدن دین سے دُور ہوتا چلا گیا، بقول ملاّ عبدالقادر بدایونی: ارکانِ دین اور اسلامی عقائد مثلاً نبوت، کلام، دیدارِ الٰہی وغیرہ کا تمسخر اڑایا جانے لگا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر صراحتہً اعتراضات کیے جانے لگے۔ کسی کی مجال نہ تھی کہ دیوان خانے میں اعلانیہ نماز ادا کرے۔ چار وقت سورج کی عبادت کی جاتی، ماتھے پر قشقہ لگایا جاتا، اسلامی تعلیمات کے خلاف کتّے اور خنزیر کی نجاست کا حکم کالعدم قرار دے دیا گیا، اور ان کی زیارت کو عبادت کا درجہ دے دیا گیا۔

ظاہر ہے ان حالات میں عقائد و اعمال کے ہر گوشے میں بگاڑ کا پیدا ہونا قدرتی امر تھا۔ شیخ محقق نے دینی تعلیمات کو فروغ دے کر اس زہر کا تریاق فراہم کیا۔ شیخ نے اکبر کے انتقال پر نواب سید فرید مرتضٰی خاں کے ذریعے جہانگیر کو تاریخی خط لکھا، جس کی ایک ایک سطر سے دین اور ملتِ اسلامیہ کا درد ٹپکتا ہوا محسوس ہوتا ہے۔ اس خط میں شیخ محقق نے دُنیا کی بے ثباتی، عدل و انصاف کی اہمیت، مقامِ نبوت اور اتباعِ شریعت ایسے مسائل پر کھل کر گفتگو کی ہے تاکہ جہانگیر اپنے پیش رو کی گمراہیوں کا مرتکب نہ ہو، اس کے علاوہ شیخ نے اکبری دَور کے دیگر امرائے سلطنت کو بھی خطوط لکھے اور امرا کی دینی غیرت کو جوش دلایا۔

امام ربانی، مجدد الف ثانی اور حضرت شیخ محقق (رحمہما اللہ تعالیٰ) دونوں ہم عصر بھی ہیں اور پیر بھائی بھی، تجدیدِ اسلام، احیا سنت اور امانتِ بدعت کے سلسلے میں دونوں کا ہدف ایک ہے، البتہ طریقِ کار دونوں کا اپنا اپنا ہے۔

پروفیسر خلیق احمد نظامی لکھتے ہیں:

''حقیقت یہ ہے کہ دونوں نے ایک ہی بات کہی ہے، لیکن مختلف انداز میں، مجدد صاحب کے یہاں انقلابی جوش، سخت گیری اور 'برہم زن' کے نعرے ہیں، تو شیخ محدث کے یہاں بھی ماحول سے سخت نفرت اور احیا سنت کا غیر معمولی جذبہ ہے۔ مجدد صاحب کی طرح وہ ڈنکے کی چوٹ پر بات نہیں کہتے، لیکن کہتے وہی ہیں جو مجدد صاحب نے کہا ہے۔'' (حیات شیخ عبدالحق محدث دہلوی، پروفیسر خلیق احمد نظامی، ص302)

دربار اکبری کے مشہور شاعر اور بے نقط تفسیر سواطع الالہام کے مصنف فیضی کے شیخ محقق سے گہرے تعلقات تھے۔ فیضی کے خطوط پڑھنے سے پتہ چلتا ہے کہ اسے شیخ سے کتنی محبت و عقیدت تھی؟ شیخ اگر چاہتے تو فیضی اور ابوالفضل کے ذریعے دربار اکبری میں بڑے سے بڑا دُنیاوی اعزاز حاصل کرسکتے تھے، لیکن انھوں نے فقر و فاقہ اور گوشہ نشینی کی زندگی اختیار کی اور اُن کے فقر غیور نے کسی طرح گوارا نہ کیا کہ عظمتِ اسلام پر حرف آئے۔ فیضی جیسا علامہ اور مخلص دوست جب صراطِ مستقیم سے بھٹک گیا، تو اُس کی فرمائش کے باوجود شیخ نے اس سے ملنا پسند نہ کیا۔

فہرس التوالیف میں شیخ محقق نے جس قدر تند و تیز تبصرہ فیضی کے بارے میں کیا ہے، کسی دوسرے معاصر کے بارے میں نہیں کیا۔ غیرتِ ایمانی کا لہو اُن کے قلم سے ٹپکتا ہوا محسوس ہوتا ہے، فرماتے ہیں:

''فیضی اگرچہ فصاحت و بلاغت اور کلام کی پختگی میں ممتازِ روزگار تھا، لیکن افسوس کہ اُس نے کفر اور گمراہی کے گڑھے میں گر کر بدبختی کا نشان اپنے حالات کی پیشانی پر لگالیا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ملت اور دین والوں کے لیے اس کا اور اس کی منحوس جماعت کا نام لینے سے بھی پرہیز ہے، اللہ تعالیٰ ان پر رجوع فرمائے، اگر وہ مومن ہیں۔'' (ترجمہ) (حیات شیخ عبدالحق محدث دہلوی، پروفیسر خلیق احمد نظامی، ص243)

علم حدیث کی تشریح اور ترویج:

علم حدیث شمالی ہند سے تقریباً ختم ہو چکا تھا۔ جب اللہ تعالیٰ کی توفیق سے شیخ محقق نے علومِ دینیہ خصوصاً علم حدیث کی شمع روشن کی، نیز درس و تدریس اور تصنیف و تالیف کو ایک مشن کے طور پر اپنایا، تو ہندوستان کی فضائیں قَالَ اللّٰہ قَالَ الرَّسُوْل کی دل نواز صداؤں سے گونج اُٹھیں۔

حضرت شیخ محقق کی تصانیف کا ذکر اس سے پہلے کیا جاچکا ہے۔ اُن کے خاندان کی حدیثی خدمات کا مختصر تذکرہ ذیل میں پیش کیا جاتا ہے:

☆ حضرت شیخ نورالحق بن شیخ محقق (متوفی 9/شوال 1073ھ) نے چھ

جلدوں میں بخاری شریف کی شرح 'تیسیر القاری' کے نام سے فارسی میں لکھی۔ انداز وہی ہے، جو شیخ محقق قدس سرہٗ کا **اشعۃ اللمعات**'' میں ہے۔ نیز شرح 'شمائل ترمذی' لکھی جس کا قلمی نسخہ رامپور کے کتب خانہ میں موجود ہے۔

☆ شیخ نورالحق کے پوتے شیخ سیف اللہ بن شیخ نوراللہ نے 'شمائل ترمذی' کی شرح 'اشرف الوسائل' کے نام سے لکھی۔

☆ شیخ نورالحق کے دوسرے پوتے شیخ محبّ اللہ نے 'صحیح مسلم' کی شرح 'منبع العلم' کے نام سے لکھی۔

☆ شیخ محبّ اللہ کے فرزندِ اکبر حافظ محمد فخرالدین نے 'حصن حصین' کی شرح فارسی میں لکھی۔

☆ حافظ محمد فخرالدین کے صاحبزادے شیخ الاسلام محمد دہلی میں صدرالصدور کے عہدے پر فائز رہے۔ انھوں نے بخاری شریف کی شرح چھ جلدوں میں لکھی، جو 'تیسیر القاری' کے حاشیہ پر چھپی ہوئی ہے۔

☆ شیخ الاسلام محمد کے صاحبزادے شیخ سلام اللہ نے 'مئوطا امام مالک' کی شرح، 'شرح محلّی بحل اسرار المؤطا' دو جلدوں میں لکھی۔ اس کے علاوہ 'شرح شمائلِ ترمذی' لکھی۔

☆ شیخ سلام اللہ کے صاحبزادے شیخ محمد سالم نے رسالہ 'نورالایمان' اور رسالہ 'اصول الایمان' لکھا۔ (حیات شیخ عبدالحق محدث دہلوی، پروفیسر خلیق احمد نظامی، ص258-264)

غرض یہ کہ شیخ محقق اور ان کے خاندان نے علومِ دینیہ اور حدیث شریف کی جو خدماتِ جلیلہ انجام دی ہیں، وہ آبِ زر سے لکھنے کے قابل ہیں۔

پروفیسر خلیق احمد نظامی لکھتے ہیں:

''حضرت شیخ محقق عبدالحق محدث دہلوی نے جس وقت مسندِ تدریس بچھائی اس وقت شمالی ہندوستان میں حدیث کا علم تقریباً ختم ہو چکا تھا، انھوں نے اس تنگ و تاریک ماحول میں علومِ دینی کی ایسی شمع روشن کی کہ دُور دُور سے لوگ پروانوں کی طرح کھچ کر ان کے گرد جمع ہونے لگے۔ درسِ حدیث کا ایک نیا سلسلہ شمالی ہندوستان میں جاری ہو گیا۔ علومِ دینی خصوصاً حدیث کا مرکزِ ثقل، گجرات سے منتقل ہو کر دہلی آ گیا۔ گیارھویں صدی ہجری کے شروع سے تیرھویں صدی کے آخر تک علمِ حدیث پر جتنی کتابیں ہندوستان میں لکھی گئی ہیں، ان کا بیشتر حصہ دہلی یا شمالی ہندوستان میں لکھا گیا، یہ سب شیخ عبدالحق محدث دہلوی کا اثر تھا۔'' (حیات شیخ عبدالحق محدث دہلوی، پروفیسر خلیق احمد نظامی، ص43)

عقائد:

اہلِ سنت و جماعت کے عقائد، کتبِ کلام مثلاً:

شرح عقائد، تمہید ابوشکور سالمی، **المعتقد المنتقد** اور تکمیل الایمان وغیرہ میں بیان کیے گئے ہیں۔ دَورِ آخر میں کچھ مسائل کو نزاعی بنا دیا گیا ہے۔ ذیل میں ہم اس امر کا مختصر سا جائزہ لیتے ہیں کہ شیخ محقق نے ان مسائل کے بارے میں کیا کہا ہے؟ اختصار کے پیشِ نظر صرف ترجمہ پر اکتفا کیا جا رہا ہے۔

سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت:

شیخ محقق کو حضور سیدالانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم سے گہری والہانہ عقیدت و محبت تھی جو ہر مسلمان کو ہونی چاہیے۔ مدینہ منورہ کے احترام کے پیشِ نظر وہاں ننگے پاؤں پھرتے تھے۔ (حیات شیخ عبدالحق محدث دہلوی، پروفیسر خلیق احمد نظامی، ص112)

سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر آتا ہے تو حضرت شیخ پر ایک وجدانی کیفیت طاری ہو جاتی ہے اور اُن کا قلم حدودِ شریعت میں رہتے ہوئے اپنی جولانیاں دکھاتا ہے شیخ محقق قدس سرہٗ نے حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں ایک نعت پیش کی تھی، اُس کے چند اشعار ملاحظہ ہوں:

ثنائش گو، ولے چوں نیست ایفائش زِ تو ممکن
بایں یک بیت مدحش را علی الاجمال اکفا کن
مخواں اُو را خدا از بہرِ شرع و حفظِ دیں
دگر ہر وصف کش میخواہی اندر مدحش انشا کن
خرابم در غم ہجر جمالت یا رسول اللہ
جمالِ خود نما رحمے بجانِ زار شیدا کن
جہاں تاریک شد از ظلم سیہ کاراں
بیاؤ عالمے را روشن از نورِ تجلّی کن

☆ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت کہو، لیکن چونکہ تم اس کا حق ادا نہیں کر سکتے، اس لیے یہ ایک شعر پڑھ کر آپ کی اجمالی تعریف پر اکتفا کرو۔

☆ حکم شریعت اور دین کی حفاظت کے پیشِ نظر حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا نہ کہو، اس کے علاوہ آپ کی تعریف میں جو وصف چاہو تحریر کر دو۔

☆ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں آپ کے جمالِ اقدس کے ہجر کے غم میں پریشان ہوں، اپنا دیدار عطا فرمائیں اور محبّ صادق کی جان پر رحم فرمائیں۔

☆ سیاہ کاروں کے ظلم سے دنیا تاریک ہو گئی ہے، آپ تشریف لائیں، اور نورِ تجلّی سے جہان کو روشن فرمائیں۔

کہتے ہیں کہ جب شیخ تیسرے شعر پر پہنچے تو رقت طاری ہو گئی اور زار

وقطار رونے لگے۔ خود شیخ محقق کا بیان ہے کہ انھیں چار مرتبہ خواب میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی۔ (حیات شیخ عبدالحق محدث دہلوی، پروفیسر خلیق احمد نظامی، ص116-118)

علم مصطفی (صلی اللہ علیہ وسلم):

حدیث شریف میں ہے: **فَعَلِمْتُ مَا فِی السَّمٰوَاتِ وَالْاَرْضِ**۔ حضرت شیخ محقق رحمہ اللہ تعالیٰ اس کا ترجمہ اور شرح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''پس مَیں نے جان لیا، وہ کچھ جو آسمانوں اور زمین میں ہے، اُس کا مطلب یہ ہے کہ تمام جزئی اور کُلّی علوم اور اُن کا احاطہ حاصل ہوگیا۔'' (اشعۃ اللمعات، شیخ محقق عبدالحق محدث دہلوی، فارسی، ج1، ص333)

مدارج النبوۃ کے خطبہ میں فرماتے ہیں:

''حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ذاتِ الٰہی کی تمام شانوں، اللہ تعالیٰ کی صفات کے احکام، افعال و آثار کے اسماء کے جاننے والے اور تمام ظاہر و باطن اور اوّل و آخر علوم کا احاطہ کئے ہوئے ہیں اور **فَوقَ کُلِّ ذِی عِلم عَلِیم** کا مصداق ہوئے ہیں۔'' (مدارج النبوۃ، شیخ عبدالحق محدث دہلوی، فارسی، مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر، ج1، ص2)

ایک دوسری جگہ فرماتے ہیں:

''حضرت آدم علیہ السلام کے زمانے سے لے کر پہلی دفعہ صور پھونکنے تک جو کچھ دُنیا میں ہے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر منکشف کر دیا گیا، یہاں تک کہ اوّل سے آخر تک تمام احوال آپ کو معلوم ہوگئے۔ آپ نے بعض احوال کی خبر صحابہ کرام کو بھی دی۔'' (مدارج النبوۃ، فارسی، ج1، ص144)

ان تصریحات سے ظاہر ہوگیا کہ حضرت شیخ محقق کے نزدیک اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیبِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر قیامِ قیامت تک کے تمام احوال اور ذاتِ باری تعالیٰ کی شیون اور صفات کا علم عطا فرمایا۔ اسی وسیع ترین علم کو علم **مَا کَانَ وَ مَایَکُونُ** کہا جاتا ہے۔

اختیار و تصرف:

مسلم شریف کی حدیث میں ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ربیعہ بن کعب اسلمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو فرمایا: سَلْ۔ (مانگو)

حضرت شیخ محقق رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس کی شرح میں اللہ تعالیٰ کے خلیفۂ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کی قدرت اور اختیارات بیان کرتے ہوئے سماں باندھ دیا ہے:

''مطلقاً فرمایا مانگو، کسی خاص مطلوب کی تخصیص نہیں فرمائی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تمام معاملہ آپ کے دستِ اقدس میں ہے، جو چاہیں، جسے چاہیں، اپنے پروردگار کی اجازت سے دے دیں:

فَاِنَّ مِنْ جُودِکَ الدُّنْیَا وَ ضَرَّتَھَا
وَ مِنْ عُلُومِکَ عِلْمَاللَّوحِ وَالقَلَم

دُنیا و آخرت آپ کی بخشش کا ایک حصہ ہیں اور لَوح و قلم کا علم آپ کے علم کا بعض ہے:

اگر خیریت دُنیا و عقبیٰ، آرزو داری
بدرگاہش بیاو ہر چہ می خواہی تمنا کن

اگر تو دُنیا و آخرت کی خیریت کی آرزو رکھتا ہے، تو اُن کے دربار میں آ، اور جو چاہتا ہے آرزو کر۔'' (اشعۃ اللمعات فارسی، عبدالحق محدث دہلوی، ج1، ص396)

ایک دوسری جگہ فرماتے ہیں:

''جن و انس کے تمام ملک اور ملکوت اور تمام جہان، اللہ تعالیٰ کی تقدیر اور تصرف سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے احاطۂ قدرت و تصرف میں تھے۔ (اشعۃ اللمعات فارسی، ج1، ص432)

حاضر و ناظر:

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم روضہ مقدسہ میں تشریف فرما بہ عطاء الٰہی تمام جہان کا مشاہدہ فرمارہے ہیں، جہاں چاہیں تشریف لے جاسکتے ہیں۔ اسی مطلب کو حاضر و ناظر کے عنوان سے تعبیر کیا جاتا ہے حضرت شیخ محقق قدس سرہٗ فرماتے ہیں:

''اس کے بعد اگر یہ کہیں کہ اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے جسدِ اقدس کو ایسی حالت اور قدرت بخشی ہے کہ آپ جس جگہ چاہیں بعینہٖ اُس جسم مبارک کے ساتھ یا جسم مثالی کے ذریعے تشریف لے جائیں خواہ آسمان پر یا زمین پر، اسی طرح قبر میں یا قبر کے علاوہ، اس کا احتمال ہے، جبکہ ہر حال میں روضہ مبارکہ کے ساتھ خاص نسبت برقرار رہتی ہے۔'' (اشعۃ اللمعات فارسی، ج2، ص250)

سلوک اقرب السبل میں فرماتے ہیں:

''علمائے اُمت کے کثیر مذاہب اور اختلافات کے باوجود کسی ایک شخص کا اس مسئلے میں اختلاف نہیں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تاویل اور مجاز کے شائبہ کے بغیر، حقیقتِ حیات سے دائم و باقی ہیں اور اعمالِ اُمت پر حاضر و ناظر، طالبانِ حقیقت اور بارگاہِ رسالت کی طرف متوجہ ہونے والوں کے لیے فیض رساں اور مربی ہیں۔'' (سلوک اقرب السبل بالتوجہ الیٰ سیدالرسل (بر اخبار الاخیار)، ص155)

اس کے علاوہ 'مدارج النبوۃ' فارسی جلدا، ص 621، اور 'اشعۃ اللمعات' فارسی جلدا، 401 پر بھی یہ مسئلہ بیان کیا ہے۔

جسم بے سایہ:

شیخ محقق، مدارج النبوۃ میں فرماتے ہیں:

''حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ زمین پر نہیں پڑتا تھا، کیونکہ زمین جائے کثافت اور نجاست ہے، دُھوپ میں بھی آپ کا سایہ نہیں دیکھا گیا، اسی طرح علما نے بیان کیا ہے، تعجب ہے کہ ان بزرگوں نے چراغ کی روشنی میں سایہ نہ ہونے کا ذکر نہ کیا۔ چونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم عین نور ہیں اور نور کا سایہ نہیں ہوتا۔'' (مدارج النبوۃ فارسی، ج1،ص118)

دیدارِ الٰہی:

اشعۃ اللمعات میں فرماتے ہیں:

''مختار یہ ہے کہ دُنیا میں بھی اللہ تعالیٰ کا دیدار ممکن ہے، لیکن بالاتفاق واقع نہیں، ہاں! حضور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے شبِ معراج واقع ہے۔'' (اشعۃ اللمعات فارسی، ج4،ص424)

حیات انبیائے کرام و اولیائے عظام:

مدارج النبوۃ میں فرماتے ہیں:

''انبیائے کرام علیہم السلام کی حیات، علمائے ملت کے درمیان متفق علیہ ہے اور کسی کا اس میں اختلاف نہیں ہے کہ وہ زندگی، شہدا اور فی سبیل اللہ جہاد کرنے والوں کی زندگی سے کامل تر اور قوی تر ہے، ان کی زندگی معنوی اور اُخروی ہے اور انبیائے کرام کی حسّی اور دُنیاوی ہے، اس بارے میں احادیث اور آثار واقع ہیں۔'' (مدارج النبوۃ فارسی، ج2،ص447)

نیز ملاحظہ ہو: ''اشعۃ اللمعات'' فارسی، ج ا،ص574) 'اشعۃ اللمعات' میں فرماتے ہیں:

''انبیائے کرام حیاتِ حقیقی دُنیاوی سے زندہ ہیں اور اولیائے کرام حیات اُخروی معنوی سے۔'' (اشعۃ اللمعات فارسی، ج3،ص204)

جذب القلوب میں فرماتے ہیں:

''بعض مشائخ نے کہا کہ میں نے چار اولیاء کرام کو پایا، وہ قبروں میں اسی طرح تصرف کرتے ہیں، جس طرح ظاہری حیات میں کرتے تھے، یا اس سے زیادہ۔'' (جذب القلوب فارسی، طبع نول کشور، لکھنؤ،ص213)

سماعِ موتیٰ:

جذب القلوب میں فرماتے ہیں:

''تمام اہلِ سنت و جماعت کا عقیدہ ہے کہ تمام اموات کے لیے جاننے اور سننے والے ادراکات ثابت ہیں۔'' (جذب القلوب فارسی،ص2-201)

زیارتِ قبور:

''تمام مومنوں کی قبروں اور اُن کی رُوحوں کے درمیان ایک دائمی نسبت ہے، جس کی بنا پر وہ زیارت کرنے والوں کو پہچانتے ہیں اور انھیں سلام کہتے ہیں، اس کی دلیل یہ ہے کہ زیارت تمام اوقات میں مستحب ہے۔'' (جذب القلوب فارسی،ص206)

زیارتِ روضۂ انور:

'جذب القلوب' میں فرماتے ہیں:

''حضرت سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت، افضل سنتوں اور مؤکدہ مستحبات میں سے ہے، اس پر علمائے دین کا قولی اور فعلی اجماع ہے۔'' (جذب القلوب فارسی،ص210)

توسل اور استعانت:

'جذب القلوب' میں فرماتے ہیں:

''حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دُعا مانگتے ہوئے کہا: تیرے نبی کے طفیل اور ان انبیائے کرام کے طفیل جو مجھ سے پہلے ہوئے، اس حدیث سے وصال سے پہلے اور اُس کے بعد دونوں حالتوں میں توسل ثابت ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ظاہری حیات مبارکہ میں اور دیگر انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے وصال کے بعد، جب دیگر انبیائے کرام علیہم السلام کے وصال کے بعد توسل جائز ہے، تو سید الانبیاء علیہ وعلیہم الصلوٰۃ والسلام سے بطریقِ اولیٰ جائز ہوگا، بلکہ اس حدیث کی بنا پر بعد از وصال اولیاء کرام سے توسل کا قیاس کریں تو بعید نہیں ہے، ہاں! اگر حضور سید الرسل صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت پر دلیل قائم ہو جائے، تو قیاس درست نہ ہوگا، مگر دلیل کہاں؟'' (جذب القلوب فارسی،ص221)

اشعۃ اللمعات میں فرماتے ہیں:

''امام غزالی علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ زندگی میں جس ہستی سے مدد طلب کی جاتی ہے، ان کے وصال کے بعد بھی ان سے مدد طلب کی جائے گی۔'' (جذب القلوب فارسی، ج1،ص715)

'اشعۃ اللمعات' فارسی جلد سوم میں تفصیلی گفتگو کے بعد فرماتے ہیں:

''منکرین کی خواہش کے برعکس اس جگہ کلام طویل ہوگیا، کیونکہ ہمارے زمانے کے قریب ایک فرقہ پیدا ہوگیا ہے، جو اولیاء اللہ سے استمداد کا منکر ہے اور اُن کی طرف توجہ کرنے والوں کو مشرک اور بُت پرست قرار دیتا ہے اور جو منہ میں آتا ہے کہہ دیتا ہے۔'' (اشعۃ اللمعات فارسی، ج3،ص402)

شفاعت:

ایک حدیث کی شرح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر فاسقوں اور گناہ گاروں نے دُنیا میں اہلِ طاعت وتقویٰ کی کوئی امداد اور خدمت کی ہوگی، تو آخرت میں اس کا نتیجہ پائیں گے اور ان کی شفاعت اور امداد سے جنت میں جائیں گے۔'' (اشعۃ اللمعات فارسی، ج4،ص405)

امام ابنِ ماجہ کی روایت کردہ حدیث میں ہے کہ قیامت کے دن تین گروہ شفاعت کریں گے:

انبیا پھر علما پھر شہدا، اس کی شرح میں فرماتے ہیں:

''اِن تین گروہوں کی شفاعت کی تخصیص ان کی فضیلت وکرامت کی زیادتی کی بنا پر ہے، ورنہ تمام اہلِ خیر مسلمانوں کے لیے شفاعت ثابت ہے۔ اس سلسلے میں مشہور حدیثیں وارد ہیں، خواہ گناہوں کی بخشش کے لیے ہو یا درجات کی بلندی کے لیے، اور شفاعت کا انکار بدعت اور گمراہی ہے جیسے کہ خوارج اور بعض معتزلہ کا مذہب ہے۔'' (اشعۃ اللمعات فارسی، ج4،ص408)

محفلِ میلاد:

''مدارج النبوۃ'' میں فرماتے ہیں:

ابولہب نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت پر خوشی اور مسرت کا اظہار کیا، اللہ تعالیٰ نے اس کی بدولت اس کے عذاب میں تخفیف فرمادی اور سوموار کے دن اس سے عذاب اٹھالیا، جیسے کہ احادیث میں آیا ہے۔ اس جگہ میلاد منانے والوں کے لیے دلیل ہے جو سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت کی رات خوشی مناتے ہیں اور مال خرچ کرتے ہیں۔ ابولہب جو کافر تھا اور اُس کی مذمت قرآن پاک میں نازل ہوئی۔ اُسے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باکرامت کی خوشی منانے اور اپنی کنیز کا دودھ حضور سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے صرف کرنے پر جزا دی گئی۔ مسلمان جو محبت اور سرور سے مالا مال ہے اور اس سلسلے میں مال خرچ کرتا ہے، اس کا کیا حال ہوگا؟ لیکن یہ ضروری ہے کہ عوام میں پیدا کردہ بدعتوں مثلاً گانے، حرام آلات کے استعمال اور منکرات سے خالی ہو، تاکہ طریقۂ بدعت محرومیت کا سبب نہ ہو۔'' (مدارج النبوۃ فارسی، ج2،ص19)

ایصالِ ثواب:

'تکمیل الایمان' میں فرماتے ہیں:

''مُردوں کے لیے زندوں کی دُعاؤں اور بہ نیت ثواب صدقہ دینے میں اہلِ قبور کے لیے عظیم نفع ہے، اس سلسلے میں بہت سی حدیثیں اور آثار وارد ہیں، نماز جنازہ بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔'' (تکمیل الایمان فارسی، طبع لکھنؤ، ص76-77) اس کے علاوہ اشعۃ اللمعات، ج1،ص797 میں ملاحظہ ہو۔

عُرس:

'ماثبت بالسُّنّۃ' میں فرماتے ہیں: ''مغرب کے بعض متاخرینِ مشائخ نے فرمایا کہ جس دن اولیاء کرام بارگاہِ عزت اور مقاماتِ قدس میں پہنچتے ہیں، اس دن باقی دنوں کی نسبت زیادہ خیر وبرکت اور نورانیت کی اُمید کی جاتی ہے اور یہ ان اُمور میں سے ہے جنھیں علمائے متاخرین نے مستحسن قرار دیا ہے۔'' (ماثبت بالسنۃ، عربی، اردو، طبع لاہور، ص224)

مزارات پر گنبد اور عمارت بنانا:

شیخ محقق رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ''آخرِ زمانہ میں چونکہ عوام کی نظر ظاہر تک محدود ہے، اس لیے مشائخ اور اولیا کے مزارات پر عمارت بنانے میں مصلحت دیکھتے ہوئے کچھ چیزوں کا اضافہ کیا تا کہ وہاں اسلام اور اولیائے کرام کی ہیبت وشوکت ظاہر ہو، خصوصاً ہندوستان میں جہاں دُشمنانِ دین ہنود اور دوسرے کافر بہت سے ہیں، ان مقامات کی شان وشوکت سے وہ لوگ مرعوب اور مطیع ہوں گے۔ بہت سے اعمال، افعال اور طریقے ایسے ہیں، جو سلف صالحین کے زمانے میں ناپسند کیے جاتے تھے اور بعد کے زمانوں میں پسندیدہ قرار دیئے گئے۔'' (شرح سفر السعادۃ فارسی، مکتبہ نوریہ رضویہ، سکھر، ص172)

مسلک:

حضرت شیخ محقق مسلکِ اہلِ سنت وجماعت کے امام ہیں، ان کے عقائد کا مختصر جائزہ گزشتہ صفحات میں پیش کیا گیا ہے۔ حضرت شیخ کے عقائد اور معمولات وہی ہیں، جو حضرت امام ربانی مجددّ الف ثانی رحمہ اللہ تعالیٰ ہیں۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: 'مسلک امام ربانی'، طبع لاہور، ازمولانا محمد سعید احمد نقشبندی رحمہ اللہ تعالیٰ، یہی عقائد ومعمولات حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ملتے ہیں۔ 'القول الجلی کی بازیافت' ازحکیم سید محمود احمد برکاتی میں تفصیل دیکھی جاسکتی ہے۔ یہ مقالہ رضا اکیڈمی، لاہور نے طبع کیا۔

علماء دیوبند اگرچہ شیخ محقق کا نام احترام سے لیتے ہیں، تاہم وہ اپنے مکتبِ فکر کا تعلق، ان سے قائم کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں۔

مولوی انور شاہ کشمیری کے صاجزادے مولوی انظر شاہ کشمیری استاذ تفسیر، دارالعلوم دیوبند کا ایک اقتباس ملاحظہ ہو، جس میں وہ خاموشی کی زبان میں بہت کچھ کہہ گئے ہیں:

'ایک عرصہ تک میرا خیال یہ رہا کہ دیوبند کو اپنا تعلق حضرت شیخ عبدالحق

محدث دہلوی سے کیوں نہ قائم کرنا چاہیے، غالباً ہندوستان میں اپنی مخصوص نوعیت کے اعتبار سے حدیث کے سلسلہ میں ان کی خدمات کچھ کم وقیع نہیں، شروح حدیث میں شاہ صاحب مرحوم کے قلم سے جو کچھ جواہر پارے تیار ہوئے ہیں، انھیں تو جانے دیجیے، ان کے صاحبزادہ شیخ نورالحق کی شرح بخاری بھی ایک زمانہ میں معروف ومتداول رہی۔ اس خانوادہ کی خدمات علمائے ولی اللّٰہی کے کنبہ کی طرح اگرچہ جلیل ووقیع نہیں، (چاند کے چہرے پر گرد ڈالنے والی بات ہے۔ شرف قادری) تاہم حدیث وقرآن سے ہند کو واقف کرنے میں شیخ عبدالحق مرحوم کا بھی بہرحال حصہ ہے۔ پھر یہ رائے بھی بدل گئی، اوّل تو اس وجہ سے کہ شیخ مرحوم تک ہماری سند ہی نہیں پہنچتی نیز حضرت شیخ عبدالحق کا فکر کلیتہً دیوبندیت سے جوڑ بھی نہیں کھاتا۔ غالباً میری بات بہت سوں کو چونکا دینے والی ہو، مگر اس موقع پر میں ایک جلیل اور صاحبِ نظر عالم کی رائے میں اپنے لیے پناہ ڈھونڈتا ہوں، سنا ہے کہ حضرت مولانا انور شاہ کشمیری مرحوم فرماتے تھے کہ 'شامی اور شیخ عبدالحق پر بعض مسائل میں بدعت سنت کا فرق واضح نہیں ہوسکا' بس اسی اجمال میں ہزارہا تفصیلات ہیں، جنھیں شیخ کی تالیفات کا مطالعہ کرنے والے خوب سمجھیں گے۔'' (مولوی انظر شاہ کشمیری، فٹ نوٹ ماہنامہ 'البلاغ' شمارہ ذی الحجہ 1388، ص49)

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے علم شریف کی وسعت کی نفی کرنے کے لیے حضرت شیخ محقق قدس سرہٗ کا نام ناجائز طور پر استعمال کیا گیا۔

مولوی خلیل احمد انبیٹھوی لکھتے ہیں:

'اور شیخ عبدالحق روایت کرتے ہیں کہ مجھ کو دیوار کے پیچھے کا بھی علم نہیں۔ (براہین قاطعہ، مولوی خلیل احمد انبیٹھوی، کتب خانہ امدادیہ دیوبند، ص55)

حلانکہ شیخ محقق نے تصریح کی ہے کہ:

'ایں سخن اصلے ندارد وروایت بداں صحیح نشدہ۔ (مدارج النبوۃ فارسی، ص7)

ترجمہ: اس بات کی کوئی بنیاد نہیں ہے اور اس کی روایت بھی صحیح نہیں ہے۔

علاوہ ازیں حضرت شیخ نے یہ بات بطورِ حکایت نقل کی ہے، روایت ہرگز نہیں کی۔ حکایت وروایت میں زمین وآسمان کا فرق ہے، جیسے کہ اہلِ علم پر مخفی نہیں۔

بجا طور پر کہا جاسکتا ہے کہ بریلی، بدایوں، خیرآباد اور رام پور کے علما یعنی علمائے اہلِ سنت ہی حضرت شیخ محقق کے جانشین اور ان کے مسلک کے امین ہیں۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی قدس سرہٗ ایک جگہ چند اکابر ملت اسلامیہ کا ذکر کرنے کے بعد ان الفاظ میں شیخ محقق کا ذکر کرتے ہیں:

'شیخ شیوخِ علماء الہند، محقق فقیہ، عارفِ نبیہ مولانا شیخ عبدالحق محدث دہلوی وغیرہم کبرائے ملت وعظمائے امت **قَدَّسَنَا اللّٰہُ تَعَالٰی بِاَسْرَارِھِمْ وَاَفَاضَ عَلَیْنَا مِنْ بَرَکَاتِھِمْ وَاَنْوَارِھِمْ**'' (امام احمد رضا بریلوی، مجموعۂ رسائل حصہ دوم، مدینہ پبلشنگ کمپنی کراچی، ص109)

اللہ تعالیٰ شیخ الاسلام، امام اہلِ سنت، حضرت شیخ محقق، شاہ عبدالحق محدّث دہلوی قدس سرّہ العزیز کی تربتِ انور پر بے شمار رحمتیں نازل فرمائے، اُن کی اولاد وامجاد اور تمام اہل سنت وجماعت کو ان کے علمی ورثے کی حفاظت اور اشاعت کی توفیق عطا فرمائے اور اُن کی تصانیف مبارکہ کے ذریعے احناف کے باہمی اختلاف کا خاتمہ فرمائے۔ آمین!

(تلخیص از مقدمہ تعارفِ فقہ وتصوف، مطبوعہ اعتقاد پبلشنگ ہاؤس، نئی دہلی 2)

بقیہ: — اہم خبریں

فراموش نہیں کرسکتی ہے۔ یقیناً مولانا صاحب پہلی تحریک آزادی کے سرخیل تھے۔ امام احمد رضا سوسائٹی کی جانب سے یہ مطالبہ کیا گیا کہ علامہ موصوف کی یاد میں حکومت مغربی بنگال ایک اسکول قائم کرے اور کسی سڑک کا نام ان کے نام سے موسوم کیا جائے۔

دوسرا اسیشن بعد نماز عشا مفتی عبدالمنان اعظمی (شیخ الحدیث شمس العلوم گھوسی، یوپی) کی صدارت میں شروع ہوا۔ بحیثیت خطیب مولانا محمد قاسم علوی (کلکتہ)، مفتی مختار عالم رضوی (صدر مجلس علما اسلام مغربی بنگال)، مفتی دلدار حسین مصباحی (دارلعلوم ضیاءالاسلام، ہوڑہ) علامہ فاروق احمد رضوی (سیتامڑھی)، مولانا حافظ محمد اسحاق اشرفی (آسنسول) شریک بزم تھے۔ اس موقع پر حضرت مفتی عبد المنان اعظمی کو ان کی فقہی خدمات پر 'امام احمد رضا نیشنل ایواڈ' مولانا اسحاق اشرفی کو ان کی تعلیمی خدمات پر ضلعی اعتبار سے 'مفتی اعظم ہند تعلیمی ایوارڈ' علامہ فاروق احمد رضوی (سیتامڑھی) مولانا قاسم علوی (کلکتہ)، مفتی مختار عالم رضوی (کلکتہ)، مفتی دلدار حسین مصباحی (ہوڑہ)، صوفی عبدالرحمٰن رضوی (ہوڑہ)، پیر صوفی سید مسعود الرحمٰن رضوی (بنگلہ) پیر مولانا نورالمعین چشتی (بنگلہ) کو ان کی علمی، تعلیمی اور روحانی خدمات پر 'علامہ فضل حق خیرآبادی ایوارڈ' دیا گیا۔ نظامت کے فرائض مولانا محمد شاہد القادری نے انجام دیے۔ حافظ غضنفر محمود رضوی (کلکتہ) نے نعت ومنقبت پیش کیے۔ اس کے بعد مولانا شاہد القادری (چیئرمین امام احمد سوسائٹی کلکتہ) کی تصنیفات 'علامہ فضل حق خیرآبادی حیات و خدمات' اور 'امام احمد رضا اور اردو ادب' کا رسم اجرا مفتی عبدالمنان اعظمینے کیا۔ بعدہ خلیفہ اعلیٰ حضرت علامہ محمد لعل خان رضوی مدراسی کلکتوی کا قل شریف ہوا، صلاۃ وسلام اور رقت انگیز دعاؤں کے ساتھ یہ تاریخ ساز کنونشن اختتام پذیر ہوا۔

(رپورٹ: حافظ غضنفر محمود رضوی، رکن امام احمد رضا سوسائٹی کلکتہ)

خصوصی موضوع

امام ربانی مجدد الف ثانی حضرت شیخ احمد سرہندی

حیات اور اصلاحی و تجدیدی خدمات

مولانا ڈاکٹر محمد عاصم اعظمی☆

نام و نسب:

اسم گرامی احمد، کنیت ابوالبرکات، لقب بدرالدین اور خطاب امام ربانی مجدد الف ثانی ہے۔ آپ نسباً فاروقی ہیں۔ شجرۂ نسب یہ ہے:

شیخ احمد مجدد الف ثانی بن مخدوم عبدالاحد بن زین العابدین بن عبدالحئی بن حبیب اللہ بن امام رفیع الدین بن نصیرالدین بن سلمان بن یوسف بن اسحاق بن عبداللہ بن شعیب بن احمد یوسف بن شہاب الدین علی فرخ شاہ بن نصیرالدین بن محمود بن سلیمان بن مسعود بن عبداللہ الواعظ الاصغر بن عبداللہ الواعظ اکبر بن ابوالفتح بن اسحاق بن ابراہیم بن ناصر بن عبداللہ بن عمر رضوان اللہ علیہم اجمعین۔ (تذکرہ مشائخ نقشبند، ص188)

پندرہویں پشت میں جد امجد شہاب الدین علی فرخ شاہ کابلی، کابل کے حکمراں، صاحب اقتدار بزرگ گزرے ہیں۔ جو حضرت شیخ کبیر بابا فریدالدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کے بھی مورثِ اعلیٰ ہیں۔

مخدوم عبدالاحد کا خواب:

ایک شب شیخ عبدالاحد نے خواب دیکھا کہ ساری دنیا تاریک ہے۔ سوٗر، بندر، ریچھ لوگوں کو ہلاک کر رہے ہیں۔ یکا یک آپ کے سینہ سے ایک نور نکلا جس سے ایک تخت ظاہر ہوا۔ جس پر ایک باوقار شخص بیٹھا ہوا ہے۔ اس کے روبرو تمام ظالم بے دین، بھیڑ، بکری کی طرح ذبح کیے جا رہے ہیں اور کوئی کہنے والا بآواز بلند کہہ رہا ہے۔ ''جَاءَ الْحَقُّ وَ زَهَقَ الْبَاطِلِ اِنَّ الْبَاطِلَ کَانَ زَهُوْقاً۔''

صبح ہوئی تو اپنے زمانہ کے مرشد کامل قطب دوراں حضرت شاہ کمال علیہ الرحمہ سے تعبیر دریافت کی۔ شاہ صاحب نے فرمایا: تمھارے ہاں ایک مبارک لڑکا پیدا ہوگا جس سے الحاد و معصیت کا خاتمہ ہوگا۔ (الخطبۃ الصوفیۃ، ص2)

ولادت:

اس خواب کی تعبیر یہ تھی کہ شب جمعہ 14 رشوال المکرّم 917ھ مطابق 5 رجون 1564ء کو سرہند میں حضرت احمد کی ولادت ہوئی۔ بچپن ہی سے ذکاوت و سعادت کے آثار ظاہر ہونے لگے تھے۔ ایام شیر خوارگی میں ایک بار سخت علیل ہوئے، والدہ ماجدہ شاہ کمال کیتھلی کی خدمت میں لے گئیں۔ شاہ صاحب نے اپنی زبانِ مبارک آپ کے منہ میں دے دی جسے وہ دیر تک چوستے رہے۔ شاہ صاحب نے فرمایا خاطر جمع رکھو، یہ لڑکا بڑی عمر کا ہوگا اور عالم باعمل اور عارف کامل ہوگا۔ (تذکرہ مشائخ نقشبند، ص190)

تعلیم:

سب سے پہلے قرآن مجید حفظ کیا، پھر مروجہ علوم کی کتابیں اپنے والد گرامی اور سرہند کے بعض نامور علما سے پڑھیں۔ تحصیلِ علم کے ابتدائی دور ہی سے خداداد ذہانت و استعداد کے جوہر کھلنے لگے۔ دقیق اور پیچیدہ مضامین کے اخذ کر لینے اور اپنے الفاظ میں بیان کرنے میں کمال حاصل کر لیا۔ پھر سیالکوٹ آئے جہاں جامع معقولات حضرت مولانا کمال کشمیری، استاذ مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی سے معقولات و کلام کی منتہی کتابیں پڑھیں۔ بعض کتب حدیث شیخ یعقوب صرفی کشمیری سے پڑھیں جو وقت کے بڑے محدث تھے۔ مولانا قاضی بہلول بدخشانی سے امام واحدی کی تفسیر بسیط، بیضاوی، منہاج الوصول، الغایۃ القصویٰ، صحیح بخاری، الادب المفرد، ثلثیات، مشکوٰۃ المصابیح، شمائل ترمذی، قصیدہ بردہ وغیرہ تحقیق کے ساتھ پڑھیں۔

17 سال کی عمر میں تمام علوم ظاہری کی تکمیل کر لی۔ فراغت کے بعد درس و تدریس کا کام شروع کیا اور عربی و فارسی زبان میں کچھ رسائل بھی تحریر کیے جن میں رسالہ تہلیلیہ اور رسالہ رد مذہب شیعہ مشہور ہیں۔

بیعت و خلافت:

حضرت مجدد نے اپنے والد سے سلسلۂ چشتیہ و قادریہ میں بیعت کی تھی۔ دونوں سلسلوں میں رسوم طریقت کی تربیت حاصل کی۔ پھر اپنے استاذ مولانا شیخ یعقوب صرفی سے سلسلۂ کبرویہ کا طریق بھی حاصل کیا۔ چشتیہ، قادریہ و کبرویہ کے طریقوں سے معرفت و سلوک کے مراحل طے کرنے کے باوجود طریقۂ نقشبندیہ کا شوق دل میں باقی تھا۔

27 رجمادی الاوّل 1007ھ میں جب والد گرامی کا انتقال ہوگیا، حج و زیارت کے شوق میں سرہند سے نکلے۔ جب دہلی پہنچے ملا حسن کشمیری سے ملاقات ہوئی اور ان سے شیخ اجل، قطب الاقطاب شیخ رضی الدین ابوالمؤید

☆ استاذ جامعہ شمس العلوم، گھوسی ضلع مئو، یوپی

عبدالباقی بن عبدالسلام بدخشی مشہور بہ باقی باللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ 971ھ-1560ء تا 1012ھ-1603ء کے فیض باطنی و روحانی کا علم ہوا۔

شوقِ ملاقات حد سے بڑھا اور آپ حضرت باقی باللہ کی خدمت میں پہنچے۔ حضرت شیخ گویا آپ کے انتظار میں ہی بیٹھے تھے۔ بڑی شفقت و احترام کے ساتھ آپ کی پذیرائی فرمائی۔ یہ خداوندی انعام تھا۔ حضرت خواجہ صاحب اپنی عام عادت کے برخلاف مجدد صاحب سے بہت زیادہ نرمی اور بشاشت سے پیش آئے۔ یہاں مطلوب خود طالب بن گیا تھا۔ چنانچہ حضرت شیخ نے سلسلۂ نقشبندیہ میں بیعت کی اور اپنے مرید خاص کی تربیت میں مصروف ہو گئے۔ حضرت مجدد پہلے ہی سے علوم ظاہری کے ساتھ علوم باطنی میں کمال حاصل کر چکے تھے۔ آئینۂ دل صاف شفاف ہو چکا تھا۔ حضرت شیخ طریقت کی نگاہِ کیمیا اثر دل میں نفوذ کرتی چلی گئی اور طریقت نقشبندیہ کے مدارج و مراحل طے کرنے لگے۔ چند ماہ میں سلوک و معرفت کے مقامِ بلند پر فائز ہو گئے۔

حضرت باقی باللہ نے ہندوستان وارد ہونے سے پہلے استخارہ کیا تھا جس سے انھیں معلوم ہوا کہ ایک خوبصورت شیریں مقال طوطی ان کے ہاتھ پر آ کر بیٹھ گیا۔ خواجہ اپنا لعابِ دہن اس کے منہ میں ڈالتے ہیں اور وہ اپنے منقار سے ان کے منہ میں شکر دے رہا ہے۔ حضرت خواجہ نے اپنے مرشد سے یہ واقعہ بیان کیا تو انھوں نے ارشاد فرمایا۔ طوطی ہندوستان کا پرندہ ہے۔ ہندوستان میں تمھاری تربیت سے کوئی ایسا شخص تیار ہوگا جس سے ایک عالم روشن ہوگا اور تم کو بھی اس سے حصہ ملے گا۔ (زبدۃ المقامات، ص140)

دوڈھائی ماہ کی تعلیم و تربیت کے بعد جب حضرت شیخ سرہند کے لیے روانہ ہوئے تو مرشد برحق نے ارشاد فرمایا۔ ''تمھیں نسبتِ نقشبندیہ کامل طور پر حاصل ہوگئی۔ اب قربِ الٰہی میں ترقی کی امید ہے۔'' دوسری مرتبہ جب مرشد کی خدمت میں حاضر ہوئے تو خلافت سے سرفراز کیے گئے اور چند طالبانِ حق کی تربیت آپ کے سپرد ہوئی۔ تیسری بار جب حاضری کا شرف حاصل ہوا تو حضرت مرشد نے چند قدم چل کر آپ کا استقبال کیا۔ بڑی بڑی بشارتیں سنائیں اور اپنے حلقۂ توجہ میں آپ کو سرحلقہ بنایا۔ بوقت رخصت فرمایا ''جسمانی ضعف سے ظاہر ہوتا ہے کہ اب میری حیات کم رہ گئی ہے۔''

حضرت خواجہ باقی باللہ نے اپنے مقتدر مرید و خلیفہ کے بارے میں اپنے ایک مخلص کو تحریر فرمایا:

''شیخ احمد نے، جو سرہند کے باشندے، کثیر العلوم، قوی العمل بزرگ ہیں۔ فقیر کے ساتھ چند دن نشست و برخاست کی۔ فقیر کے مشاہدہ میں ان کے عجیب کمالات و اوصاف آئے۔ امید ہے کہ وہ ایک ایسا چراغ ہوں گے جس سے ایک عالم منور ہو جائے گا۔ ان کے احوالِ کاملہ پر میرا یقین استوار ہے۔'' (ایضاً، ص145)

حضرت خواجہ باقی باللہ نے میر محمد نعمان سے حضرت مجدد کے بارے میں ارشاد فرمایا:

''یہاں شیخ احمد ایسے آفتاب ہیں کہ ہم جیسے ہزاروں ستارے ان کے ضمن میں گم ہیں۔ کامل اولیائے متقدمین میں سے خال ہی ان کے مثل ہوئے ہوں گے۔'' (زبدۃ المقامات بحوالہ مشائخ نقشبند ص197)

وفات:

1032ھ میں قیام اجمیر شریف کے دوران فرمایا ''سفر آخرت کے دن قریب ہیں۔'' سرہند آئے تو تمام دنیاوی تعلقات سے انقطاع کر لیا اور عزلت نشیں ہو گئے۔ مخدوم زادوں اور چند خادموں کے سوا کسی کو ملنے کی اجازت نہ تھی۔ صرف نمازِ پنجگانہ اور جمعہ کے لیے باہر آتے۔ سارا وقت ذکر و فکر اور عبادت میں بسر ہوتا۔ کئی مہینے اسی حالت پر گزرے۔ 12/محرم کو فرمایا:

''مجھے بتایا گیا ہے کہ 45 دن کے اندر اس عالم سے دوسرے عالم کا سفر کرایا جائے گا۔''

22/صفر کو اعزہ و خدام سے فرمایا کہ آج 40 روز پورے ہو گئے۔ دیکھنا چاہیے کہ اب کیا پیش آتا ہے۔ 23/صفر کو اپنے تمام کپڑے خدام میں تقسیم کر دیے۔ سرد ہوا کا اثر ہوا اور شدید بیماری میں مبتلا ہوئے۔ مرض کی شدت کے باوجود معمولات میں فرق نہ آیا۔ آدابِ شریعت و طریقت سے کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں فرمایا۔ وصال سے کچھ پہلے غیبت و استغراق کا غلبہ ہوا۔ فرزندوں نے پوچھا یہ حالت کس وجہ سے ہے؟ جواب دیا استغراق کی وجہ سے بعض حقائق و معاملات درپیش ہیں۔ اسی حالت میں یہ وصیت فرمائی:

''سنت کو دانتوں سے پکڑنا چاہیے۔ صاحبِ شریعت علیہ السلام نے ''اَلدِّیْنُ النَّصِیْحَۃ'' کے مطابق امت کی خیر خواہی اور نیک صلاح کا کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا۔ دین کی معتبر کتابوں سے متابعتِ کامل کا راستہ حاصل کرنا اور اس پر کاربند ہونا چاہیے۔ میری تجہیز و تکفین میں سنت پر پورا عمل کیا جائے۔ کوئی سنت ترک نہ کی جائے۔

28/صفر 1034ھ سہ شنبہ بوقتِ چاشت جان جانِ آفرین کے سپرد فرمائی۔ اس وقت عمر شریف 63 سال تھی۔ نمازِ جنازہ فرزند کلاں خواجہ سعید

نے پڑھائی اور جسدِ مبارک حویلی کے صحن میں سپردِ خاک کر دیا گیا۔

خلفا:

تلقین و ہدایت کے اس روشن مینار سے دلوں کی دنیا منور کرنے والے اہلِ ارادت کا کوئی شمار نہیں۔ اسی طرح آپ کی روحانی تربیت سے فیض یاب ہو کر کاملِ شیخ طریقت بننے والے اور خلافت واجازت سے سرفراز ہونے والوں کی صحیح تعداد کا تعین از بس دشوار ہے۔ خلفا کی کثرت کا اندازہ اس سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ صرف ہندوستان ہی نہیں، ترکستان، افغانستان، روم و شام، عرب و عجم، ہر جگہ خلفائے عظام سلسلۂ مجددیہ نقشبندیہ کی اشاعت میں مصروف تھے۔

چند اہم خلفا کے اسمائے گرامی درج ذیل ہیں: (1) خواجہ سیّد آدم بنوری (2) خواجہ محمد معصوم (3) شیخ محمد طاہر لاہوری (4) خواجہ میر محمد نعمان (5) خواجہ ہاشم کشمی (6) شیخ بدیع الدین سہارنپوری (7) مولانا بدرالدین سرہندی (8) شیخ عبدالاحد عرف شاہ گل (9) مولانا محمد صدیق کشمی (10) شیخ حمید ہنگامی (11) شیخ عبدالحئی حصاری (112) شیخ نور محمد پٹنی (13) مولانا احمد برکی (14) مولانا امان اللہ لاہوری (15) شیخ حسن برکی (16) حاجی خضر خاں افغانی (17) میر صغیر احمد رومی (18) مولانا طاہر بدخشی (19) شیخ عبدالہادی فاروقی (20) مولانا فرخ حسینی ہروی (21) شیخ محمد صادق کابلی (22) مولانا یوسف سمرقندی۔

تالیفات و تصنیفات:

حضرت مجدد ایک بلند پایہ ممتاز عالم تھے۔ انھوں نے دین و شریعت کی حمایت اور احیائے دین کے مصالح کو مدنظر رکھتے ہوئے چند بیش قیمت تصانیف بھی یادگار چھوڑیں جن کی افادیت و تاثیر آج بھی قائم ہے۔ یہ مصنفات طالبِ حق اور اہلِ بصیرت کے لیے گرانقدر سرمایہ اور تلقین و ہدایت کا سرچشمہ ہیں۔ آپ کی مصنفات و مؤلفات کی فہرست یہ ہے:

(1) رسالہ تہلیلیہ (2) رسالہ اثبات وثبوت (3) رسالہ ردشیعہ (4) رسالہ معارف لدنیہ (5) شرح شرح رباعیات باقی باللہ (6) مبدأ ومعاد (7) مکاشفاتِ غیبیہ (مکتوبات امام ربانی دفتر3)

دفتر اوّل کی ابتدا ان مکاتیب سے ہوتی ہے جن کو آپ نے حضرت باقی باللہ کو تحریر کیے۔ اس دفتر میں 313 مکاتیب ہیں، جن کو خواجہ یار محمد جدید بدخشی طالقانی نے جمع کیا جس کا تاریخی نام 'دارالمعرفت' رکھا۔

دفتر دوم خواجہ عبدالحئی حصاری نے مرتب کیا جس میں 99 مکاتیب ہیں جس کا تاریخی نام 'نورالخلائق' (1028ھ) رکھا 1033ھ میں ترتیب دیا۔

تیسرا دفتر خواجہ محمد ہاشم کشمی نے ترتیب دیا، جو ایک سو چودہ خطوط پر مشتمل ہے جس کا نام 'بحرالمعارف' ہے۔

اصلاح و تجدید:

ہندوستان میں مسلم حکومت کے دورِ اوّل سے لے کر بادشاہ ہمایوں تک جتنے بھی امرا و سلاطین گزرے وہ سچے مسلمان اور راسخ العقیدہ سنی تھے۔ دینِ حق کے حامی اور اہلِ اسلام کے خیرخواہ تھے۔ خود اکبر بادشاہ اپنے ابتدائی عہدِ حکومت میں سچا مسلمان اور پکا سنّی تھا۔ سفر و حضر میں جماعت سے نماز پنجگانہ ادا کرتا، رمضان کے روزے رکھتا، اولیاء اللہ، علما و مشائخ سے عقیدت احترام کا سلوک کرتا، ان کی بارگاہوں میں ادب و احترام کے ساتھ حاضری دیتا۔ اس کے درباری امرا و علما بھی دینِ حق کے حامی اور دعوتِ حق میں مخلص تھے۔ مگر جب سلطنت کو وسعت و استحکام حاصل ہونے لگا اس کے مذہب پر سیاست غالب آنے لگی۔ رانی جودھابائی اور دوسری راجکماریوں سے شادی کر کے اس نے ہندو راجاؤں سے رشتۂ قرابت قائم کیا تو اسے ہندو مذہب اور اس کے فلسفہ و رسوم کو قریب سے دیکھنے کا موقع ملا تو وہ جہالت کی بنا پر ہندو مذہب اور اس کے اعمال و رسوم میں گہری دلچسپی لینے لگا۔ اس طرح اس کی راسخ العقیدگی صلح کلیت میں بدل گئی۔ اور وہ ہندو مذہب کے علاوہ دیگر ادیان و ملل کے افکار و عقائد کی معلومات فراہم کرنے کا شائق ہو گیا۔ اور اس نے اپنے دربار میں ہر مذہب و ملت کے علما و عقلا کو جمع کر لیا۔ اور ان کے درمیان مختلف دینی و مذہبی موضوعات پر مناظرے کراتا۔ بحث و مناظرہ کے دوران قسم قسم کی نکتہ آفرینیاں اور بے لاگ تبصرے کیے جاتے۔ مناظرے میں موشگافیوں اور عقلی دلائل کی گرم بازاریوں نے اکبر کے ذہن میں تشکیک کا مرض پیدا کر دیا۔ اسلامی عقائد و افکار کی بندشوں سے آزاد ہونے لگا۔ بین المذاہب والمسالک بحث و مناظرہ کے شوق نے اسے اس نتیجہ پر پہنچا دیا کہ تمام مذاہب کی صداقتوں کو یکجا کیا جائے۔ چنانچہ اس نے چالیس ارکان پر مشتمل ایک کمیٹی بنائی جس میں اسلام کے علاوہ دیگر مذاہب کی خوبیاں جمع کی جانے لگیں۔

ادھر ٹوڈرمل، بیربل، دیوی برہمن.... جیسے ہندو امرا و اعیانِ سلطنت اور مفاد پرست تشکیک زدہ ملا مبارک اور اس کے بیٹے ابوالفضل فیضی اور شریف آملی جیسے دیگر خوشامدی علما و امرائے دربار نے اکبر کے ذہن و دماغ کو اسلام سے منحرف کرنے کی بھرپور کوشش کی۔ بادشاہ اور حکومت کو قانونِ شرع کی پابندیوں سے آزاد کرنے کی بتدریج جدوجہد شروع ہوئی۔

سب سے پہلے ملا مبارک ناگوری نے ایک محضر کے ذریعہ بادشاہ کو امام

عادل اور مجتہد کا درجہ دیا، جس کی رو سے بادشاہ کسی فقہی مسلک کا پابند نہیں رہا۔ وہ خود امور دینی میں اپنی رائے سے فیصلے کا مجاز قرار دیا گیا اور اس کے حکم کو تسلیم کرنا اور اس پر عمل پیرا ہونا لازمی قرار دیا گیا اور اس کے حکم کو تسلیم کرنا اور اس پر عمل پیرا ہونا لازمی قرار دیا گیا۔ یہ پہلی منزل تھی جہاں تقلید سے کنارہ کش کر کے اکبر کو اجتہاد کے درجہ پر پہنچا دیا گیا۔ پھر تھوڑے ہی دنوں بعد اعلانیہ ائمہ مجتہدین کی توہین و تحقیر ہونے لگی۔ دین کا بھرم اُٹھ گیا ابوالفضل اس قدر جری ہو گیا تھا کہ بحث و مباحثہ کے دوران ائمہ کا قول نقل کیا جاتا تو وہ کہتا۔ فلاں حلوائی، فلاں کفش دوز اور فلاں چمڑے والے کے قول سے تم مجھ پر حجت قائم کرتے ہو۔

بادشاہ کے عادل اور مجتہد قرار دیئے جانے کے بعد اس کے دماغ میں فرعونیت سمائی اور جگت گرو بننے کا شوق پیدا ہوا۔ اس نے ایک نیا دین ایجاد کرلیا۔ ملا عبدالقادر بدایونی لکھتے ہیں:

''بادشاہ نے یہ خیال پیدا کرلیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کی مدت کل ایک ہزار سال تھی جو پوری ہوگئی۔ بادشاہ کے دل میں اس کے بعد ان منصوبوں کے اظہار و اعلان میں کوئی رکاوٹ باقی نہ رہی۔ جو اپنے دل میں انھوں نے طے کیے تھے۔ ادھر ایسے علما جن کا کچھ رعب و داب تھا ان سے بھی بساط خالی ہو چکی تھی۔ پھر کیا تھا اس کے بعد تو بادشاہ خوب کھل کر کھیلے اور اسلامی احکام وارکان کے ہدم و بربادی ان کی جگہ نت نئے اپنے ساخت پرداختہ قوانین کی ترویج میں مشغول ہوئے، جس کے بعد عقائد کی بربادی کا بازار گرم ہوا۔ (منتخب التواریخ ص، 301)

الف ثانی کے اس نظریہ کو سکّوں کے ذریعہ عام کیا گیا اور عالم نما جاہلوں نے کہا اس صاحبِ زماں کا وقت آ گیا ہے جو ہندو اور مسلمان کے 72 فرقوں کے اختلاف کا مٹانے والا ہوگا اور وہ صاحبِ زماں بادشاہ اکبر ہے۔ اکبر نے ہندو مت، جین مت، عیسائیت اور مجوسیت کے افکار و عقائد، اعمال و رسوم کا ایک مجموعۂ مرکب تیار کیا جسے 'دینِ الٰہی' نام دیا گیا اور اس باطل دھرم کا کلمہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ اَکْبَرُ خَلِیْفَۃُ اللّٰہِ تھا۔

دینِ الٰہی کا غالب عنصر ہندو دھرم کے افکار و اعمال تھے۔ کہنے کو تو اس نئے دین میں سارے مذاہب کی خوبیاں جمع کر دی گئی تھیں۔ مگر اسلام کے علی الرغم ایسے افکار و عقائد اور رسوم و اعمال کا مجموعہ تھا جو اسلام کے بنیادی عقائد کے سراسر خلاف تھا۔ اسلام کے علاوہ تمام ادیان کی پذیرائی کی جاتی اور کھلے عام اسلام کے عقائد و شعار کا مذاق اُڑایا جاتا تھا جس کا اندازہ دینِ الٰہی کے پیروؤں کے اعمال و افکار سے ہوتا ہے:

(1) آفتاب کی عبادت دن میں چار بار کی جاتی۔
(2) صبح کو اکبر کا درشن اور اسے سجدہ کیا جاتا۔
(3) شراب اور جوا حلال، گاؤ کشی حرام۔
(4) دخترِ عم و خال سے نکاح ناجائز۔
(5) لاشیں جلائی جائیں، اگر دفن کی جائیں تو پاؤں قبلہ کی طرف ہو۔
(6) مَردوں کے لیے سونا اور ریشم حلال۔
(7) خنزیر اور کتّوں کا احترام ناگزیر۔
(8) آگ کا احترام۔
(9) دیوالی، دسہرہ، راکھی، پونم، شیوراتری خاص تیوہار تھے۔
(10) متعہ حلال
(11) عقیدۂ تناسخ

اکبری دور میں اسلام اور اہل اسلام کی زبوں حالی کا عالم کیا تھا مجدد صاحب رقم طراز ہیں:

''مسلمانوں پر پچھلے دور میں کیا کچھ گزر گیا اسلام کی زبوں حالی پہلے زمانہ میں اس سے آگے نہ گئی تھی کہ مسلمان اپنے دین پر رہیں اور کفار اپنے دین پر لیکن گزشتہ دور اکبری میں کھلے بندوں اور اسلامی سلطنت میں کفر کے قوانین غالب اور نافذ تھے بحالیکہ مسلمان اسلامی قوانین کے اظہار سے عاجز تھے۔ اگر ظاہر کرتے تو قتل کر دیئے جاتے۔ (مکتوب، ص 65)

اکبری دور کے بعد بھی اس کے اثراتِ بد کا تذکرہ فرماتے ہوئے لکھتے ہیں:

''اسلام اتنا کمزور ہو گیا ہے کہ ہندوستان کے کفار بے کھٹکے مسجدوں کو گرا رہے ہیں اور ان کی جگہ اپنے مندر بنا رہے ہیں۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اسلامی شبستان میں جو آگ لگی تھی اس کی شعلہ نشانیاں کس حد کو پہنچی ہوئی تھیں۔ (مکتوبات اوّل، ص 163)

حضرت مجدد کی اصلاحی سرگرمیاں:

حضرت مجدد اکبر کی موت (1014ھ) کے بعد میدان عمل میں اس وقت اُترے جب آپ کی عمر 40 سال ہو چکی تھی اور علم ظاہر و باطن میں کمال پیدا کر لیا تھا۔ چونکہ اس وقت کی بے دینی دربار ہی سے پیدا ہوئی تھی اور اسے شاہی سرپرستی حاصل تھی اس لیے حضرت مجدد نے جہانگیری عہد کے امرا و اعیانِ سلطنت ہی کو دینِ حق کی طرف مائل کرنے اور اکبری عہد کی بدعات و خرافات کے دور کرنے اور اسلام کے نقصانات کی تلافی کے لیے آمادہ کیا۔ اور اس مقصد خیر کے لیے تمام نامور امرا کو خطوط لکھے۔ ان

تمام مکاتیب کا صرف ایک ہی مقصد تھا کہ جس طرح ممکن ہو اس نقصان کی تلافی ہونی چاہیے جو اسلام کو عہد اکبری میں پہنچا ہے۔ لالہ بیگ جہانگیر کو لکھتے ہیں:

''اللہ ہم میں اور آپ میں اسلام کی حمیت زیادہ کرے۔ تقریباً ایک قرن سے اسلام پر ایسی غربت چھا گئی ہے کہ کفار اسلامی علاقوں میں کفر کے احکام جاری کرنے ہی پر اکتفا نہیں کرتے ہیں بلکہ اس کوشش میں ہیں کہ اسلام کے احکام پوری طرح زائل ہو جائیں۔ اسلام اور مسلمان کا نام تک باقی نہ رہے۔ اگر کوئی مسلمان اسلامی شعار کو ظاہر کرتا ہے تو اس کو قتل کرا دیا جاتا ہے۔'' (مکتوب 29، دفتر اوّل)

شیخ فرید بخاری کے نام لکھے گئے خط کے بعض اقتباسات:

''آج جبکہ مانع دولت اسلام کے زائل ہونے کی نوید اور بادشاہ اسلام کے جلوس کی بشارت ہر خاص و عام کے کان تک پہنچی ہے، اہل اسلام نے تہیہ کرلیا ہے کہ وہ بادشاہ کے مددگار اور معاون رہیں گے اور ترویج شریعت اور تقویت ملت میں ان کا ساتھ دیں گے۔ ان کی مدد کریں گے۔ چاہے زبان سے ہو چاہے ہاتھ سے۔ سب سے اوّل مسائل شرعیہ کی مدد ہے تاکہ کتاب و سنت و اجماعِ امت کے موافق عقائد باطلہ کا اظہار ہو۔ کوئی بدعتی اور گمراہ بیچ میں آکر راستہ نہ کاٹے۔ اور کام کو نہ بگاڑے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو کامل قدرت اور بادشاہ کا قرب عطا کیا ہے۔ اس لیے آپ کی ذات سیادت پناہ سے امید ہے کہ ظاہر و باطن میں برابر شریعت محمدی علی صاحبہا الصلوٰۃ والتحیہ کی ترویج کے لیے کوشش کریں گے۔ اور مسلمانوں کو ذلت اور پستی سے نکالیں گے۔'' (مکتوب 47، دفتر اوّل)

خان جہاں کو تحریر فرمایا:

''آپ سے التماس ہے کہ جب اس خاندانِ نقشبندیہ کے اکابر کی محبت کی برکت سے جو آپ کے دل میں ہے اللہ تعالیٰ نے آپ کی بات میں تاثیر رکھی ہے اور آپ کے اقران میں آپ کی عزت ہے تو آپ کوشش کریں تاکہ کم از کم یہ صورت نکل آئے کہ کفر کے وہ بڑے احکام جو مسلمانوں میں رائج ہو گئے ہیں ختم ہو جائیں اور منکرات سے مسلمانوں کو نجات ملے۔ اللہ آپ کو ہماری اور سب مسلمانوں کی طرف سے اجر دے۔ پہلی حکومت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کی مخالفت اور دشمنی مفہوم ہوئی تھی اس حکومت میں بہ ظاہر وہ بات نہیں ہے اور اگر ہے بھی تو لاعلمی کی بنا پر ہے۔ اندیشہ اس بات کا ہے کہ کہیں اس حکومت میں بھی پہلی حکومت کی کیفیت نہ پیدا ہو جائے اور عرصۂ حیات مسلمانوں پر تنگ ہو جائے۔'' (مکتوبات اوّل نمبر 65)

علمائے سوء:

ملا مبارک، ابوالفضل، فیضی، شریف آملی جیسے دنیا دار علما نے اپنی عقلیت پرستی اور حیلہ طرازی سے اکبر کو مہدی، صاحب زماں اور امام مجتہد حتیٰ کہ اسے انسان کامل، خلیفۃ الزماں قرار دے دیا اور اسے اسلام سے برگشتہ کر کے لادینیت کا دروازہ کھول دیا، یہی علمائے سوء درحقیقت دینِ الٰہی کے مؤسس اور بانی تھے۔ حضرت مجدد اس حقیقت سے بخوبی آشنا تھے کہ علمائے سوء اگر بادشاہ جہانگیر کے دربار میں داخل ہوئے تو اکبری دور کی لادینیت پوری قوت کے ساتھ ہندوستان کے طول و عرض میں پھیل جائے گی۔ اس فتنے کو روکنے کا سب سے مؤثر ذریعہ یہی ہے کہ دربارشاہی کو خود غرض، دنیادار، دین فروش علما سے پاک کیا جائے۔

میر صدر جہاں کے نام ایک مکتوب میں تحریر فرمایا:

سننے میں آیا ہے کہ بادشاہ اسلام اسلامی حسن اعتقاد کی بنیاد پر علما کے طلبگار ہو گئے ہیں، یہ اللہ کا کرم ہے۔ آپ کو معلوم ہے جو پچھلے دور میں خرابی پیدا ہوئی تھی علمائے سوء کی وجہ سے ہوئی تھی۔ لہٰذا علما کے انتخاب میں آپ خوب چھان بین کریں۔ علمائے سوء دین کے ڈاکو ہیں۔ ان کا مقصد عزت و منزلت اور ریاست ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کے فتنہ سے بچائے۔'' (مکتوبات اوّل، ص 194)

اب جبکہ حکومت پلٹ گئی اور اہل ہبل کے عناد کا زور ٹوٹ گیا ہے تو تمام مقتدایان اسلام پر چاہے وزرائے عظام ہوں یا علمائے کرام ہوں لازم ہے کہ اپنی تمام کوشش شریعت کی ترویج و اشاعت پر لگا دیں۔ اور اسلام کے منہدم ارکان کو قائم کریں۔ تغافل میں کچھ فائدہ نہیں ہے۔ مسلمانوں کے دل مضطرب ہیں۔ ان کو پچھلے دور کی مصیبتیں یاد ہیں۔ کہیں یہ نہ ہو کہ تلافی مافات کی صورت بھی ہاتھ سے نکل جائے۔ اور اسلام کی غربت میں مزید اضافہ ہو۔

شیخ فرید بخاری کو لکھتے ہیں:

''پچھلے دور میں مسلمانوں پر جو بھی مصیبت آئی وہ اسی جماعت کی وجہ سے آئی۔ بادشاہوں کو انھوں نے ہی بہکایا ہے۔ وہ 72 فرقے جنھوں نے گمراہی اختیار کی ان کے مقتدیٰ یہی علمائے سوء تھے۔ اگر علمائے سوء کے علاوہ کسی نے راہِ ضلالت اختیار کی ہے تو اس کی ضلالت دوسروں تک بہت کم متعدی ہوئی ہے۔ اور اس زمانے کے اکثر صوفی نما جاہل علمائے سوء کے حکم میں ہیں۔ کیونکہ ان کا فساد بھی متعدی ہے۔ (مکتوب نمبر 47)

مکار صوفی:

عہد اکبری میں تصوف و طریقت کے جو افکار و رسوم ہوا پرست صوفیوں

نے وضع کر لیے تھے جس میں فلسفۂ یونان، حکمت اشراق، عجمی و ہندی تصورات کی ایسی آمیزش کر لی گئی تھی جس سے اسلامی تصوف کا کوئی واسطہ نہ تھا۔ جاہل صوفیہ نے شریعت وطریقت کو الگ الگ خانوں میں بانٹ کر ایک ایسا نظام رائج کر دیا تھا جہاں دینی احکام اور شرعی نزاکتوں کا دُور دُور تک گزر نہ تھا، نام نہاد روحانیوں کا مسلک دین حق کے لیے سم قاتل تھا۔ حضرت مجدد نے اس جانب خاص توجہ فرمائی اور شریعت کی برتری کا احساس دلایا اور اس زندیقی نظریۂ تصوف وسلوک کی خامیوں سے لوگوں کو روشناس کر کے صحیح اسلامی فکر اور اسلامی تصوف کی راہ دکھائی۔ جو شریعت سے ماورا نہیں بلکہ شریعت کی سراسر پابندی سے عبارت ہے۔

حضرت مجدد اپنے وقت کی گمراہیوں کا تذکرہ اس طرح کرتے ہیں:

''اس وقت عالم میں بدعات کا اس کثرت سے ظہور ہے کہ معلوم ہوتا ہے ظلمات کا دریا اُمنڈ رہا ہے۔ اور سنت کا نور اس مواج دریا میں اس کے مقابلہ میں اس طرح ٹمٹمار ہا ہے کہ معلوم ہوتا ہے کہ رات کے اندھیرے میں کہیں کہیں جگنو اپنی چمک دکھا رہے ہیں۔'' (مکتوبات دوم نمبر 23)

حضرت مجدد نے اپنی حکمت وبصیرت سے معلوم کیا کہ جن کے دلوں میں کجی ہے وہ صوفیہ طریقت وحقیقت کو شریعت سے بالاتر سمجھتے اور حقیقت کے نام پہ گمراہی اور باطنی مسلک کو رائج کر رہے ہیں۔ آپ نے ان مفاسد کا ردفرمایا لکھتے ہیں:

''منازل سلوک طے کرنے اور مقامات جذب قطع کرنے کے بعد معلوم ہوا کہ حاصل اور مقصد تمام سیر وسلوک کا یہ ہے کہ مقام اخلاق حاصل ہو جائے جو کہ تمام آفاقی اور انفسی معبودوں کی فنا پر منحصر ہے۔ شریعت کے تین اجزا ہیں۔ علم، عمل اور اخلاص۔ طریقت اور حقیقت اخلاص کے خادم ہیں۔ یعنی طریقت وحقیقت کی جتنے منازل طے ہوں گی اسی قدر اخلاص میں قدم راسخ تر ہوتا جائے گا۔ اخروٹ اور کشمش جیسی معمولی اشیا پر اکتفا کیے ہوئے ہے نہ وہ شریعت کے کمالات کو سمجھا ہے اور نہ طریقہ وحقیقت کی تہہ تک پہنچا ہے وہ یہ سمجھ رہا ہے کہ شریعت چھلکا ہے اور حقیقت گودا۔ اس کو اصل کار کی خبر نہیں ہے وہ صوفیہ کی لایعنی باتوں پر فریفتہ اور احوال ومقامات پر مفتون ہو گیا ہے۔ ایسے لوگوں کو اللہ سیدھی راہ پر لگائے۔'' (مکتوبات اوّل نمبر 40)

بے عمل صوفیوں کی اس باطل لغزش سے باز رہنے کی تاکید فرمائی جس سے لوگ شرعی فرائض وواجبات سے غافل ہو جاتے تھے۔

''ضرورت دو باتوں کی ہے۔ اللہ کے سوا کسی سے تعلق نہ رہے اور ان اعمال کو پردے کا راز بنایا جائے جن کا تعلق بدن سے ہے اور شریعت نے ان کا حکم دیا ہے۔ جو شخص بغیر اعمال بدنیہ کے قلب کی سلامتی کا دعویٰ کرے اس کا دعویٰ غلط ہے۔ جس طرح دنیوی زندگی میں بغیر جسم کے روح نہیں ہوتی بلکہ اس کا خیال تک نہیں کیا جا سکتا اسی طرح احوال قلبیہ کا ظہور بغیر بدنی اعمال کے محال ہے۔ اس زمانہ کے اکثر ملحد اس قسم کا دعویٰ کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے حبیب کے صدقے میں ان کے برے عقائد سے بچا لے۔'' (مکتوبات اوّل، نمبر 39)

شیخ بدیع الدین کو لکھتے ہیں:

''صوفیائے خام کی بے عملیوں کی تردید اس طرح فرماتے ہیں:

''یہ لوگ یہ بات بھی کہتے ہیں کہ پیر اس مقصد سے عبادت نہیں کرتا کہ وہ عبادت کا محتاج ہے بلکہ اس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ اس کے متبعین اس کو دیکھ کر عبادت کریں۔'' (مکتوبات دفتر اوّل نمبر 276)

خام صوفی ذکر وفکر کو اہم سمجھ بیٹھے ہیں۔ فرائض اور سنن کی بجا آوری میں تساہلی سے کام لیتے ہیں اور مغبیات اور ریاضات کو اختیار کر کے جمعہ و جماعت کو چھوڑتے ہیں۔ وہ سمجھتے نہیں کہ ایک فرض کو جماعت سے ادا کرنا ان کے ہزاروں چلوں سے بہتر ہے۔ ہاں! جو ذکر وفکر آداب شرعیہ کے ساتھ کیا جائے وہ بہتر اور شایان شان اہتمام رہتا ہے۔ (ایضاً نمبر 260)

آپ نے شیخ نظام تھانیسری کو تحریر فرمایا:

معتبر افراد سے معلوم ہوا کہ آپ کے بعض خلفا کو ان کے مرید سجدہ کرتے ہیں وہ زمین بوسی پر اکتفا نہیں کرتے۔ اس فعل کی قباحت اظہر من الشّمس ہے آپ ان کو تاکید کے ساتھ منع کریں۔ اس فعل سے ہر ایک کو بچنا لازم ہے اور خاص کر ایسے شخص کو جو خلق کا مقتدیٰ ہو۔ آپ کی مبارک مجلس میں تصوف کی کتابیں پڑھی جاتی ہیں چاہیے کہ فقہ کی کتابیں پڑھی جائیں۔ فقہ کی کتابوں کا نہ پڑھنا احتمال ضرر رکھتا ہے۔ (ایضاً نمبر 229)

حضرت مجدد نے اپنی تجدیدی سرگرمیوں سے ایک طرف تو حکومت کو کفر کی گود میں جانے سے روکا اور اکبری دور کی دینی وسماجی گمراہیوں کو ختم کر کے اس عظیم فتنہ کے سیلاب کو روکا جو ہندوستان سے دین حق کو بہالے جانے کے لیے موجیں مار رہا تھا۔ دوسری جانب تصوف کے چشمۂ صافی کو ان آلائشوں سے جو فلسفیانہ اور راہبانہ گمراہیوں سے آلودہ ہو چکا تھا پاک کر کے اسلام کا اصلی اور صحیح تصوف پیش کیا اور عوام میں پھیلی ہوئی غیر اسلامی رسوم کا خاتمہ کیا اور سلسلۂ بیعت وارشاد کے ذریعہ اتباع شریعت

کی ایک ایسی تحریک پھیلائی جس کے ہزاروں کارکنوں نے ہندو بیرونِ ہند عوام کے اخلاق واعتقاد کی اصلاح کی۔

تیسرا اہم کارنامہ یہ ہے کہ علمائے سوء کی فتنہ طرازیوں اور ان کی گمراہیوں سے لوگوں کو بچنے کی تلقین کی اور ان کے مکر وحیلہ کا پردہ فاش کیا۔

حضرت مجدد کی تحریریں گنجینۂ اسرار ومعارف ہیں اور ان کا ایک ایک لفظ ان کے سوزِ نہانی اور جذبہ ایمانی کا اظہار کرتا ہے۔

رسالت محمدی:

حضرت مجدد کا اصل تجدیدی کارنامہ جس کی جلو میں سارے تجدیدی کارنامے انجام پاتے ہیں۔ وہ نبوت محمدی اور اس کی ابدیت وضرورت پر امت مسلمہ میں اعتقاد واعتماد بحال کرنے اور مستحکم کرنے کا انقلابی کارنامہ ہے۔ اس تجدیدی اقدام سے ان تمام فتنوں کا انسداد ہوتا ہے۔ جو اس وقت عالم اسلام میں منہ پھیلائے ہوئے اسلام کی حقانیت وصداقت کو نگلنا چاہتے تھے۔ ایران کی نقطوی تحریک نے نبوت محمدی کی بقا ودوام کے خلاف بغاوت کی اور اعلان کیا تھا کہ نبوت محمدی کا ایک ہزار رسالہ دور ختم ہوا۔ اور اب دینی رہنمائی اور زندگی کی تشکیل جدید کا وہ دور شروع ہونے والا ہے جس کی بنیاد عقلیت اور فلسفہ پر ہوگی۔ اسی فلسفہ سے متاثر ہو کر اکبر نے دینِ الٰہی کا اختراع کیا۔ حضرت مجدد رقمطراز ہیں:

''اس زمانے میں یہ بات میں نے دیکھی کہ خود نبوت ہی کے متعلق اور پھر کسی فرد واحد کے لیے نبوت کے اثبات کے سلسلہ میں لوگوں کے اعتقاد میں فتور آ چلا ہے۔ یہ خرابی اتنی بڑھ گئی ہے کہ اسلام کے وہ علما جو شریعت کی پیروی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی فرمانبرداری میں جو ثابت قدم تھے قتل کر دیئے گئے اور یہ حالت ہوگئی کہ حضرت خاتم الانبیا صلی اللہ علیہ وسلم کے مکرم نام کو چھوڑا جا رہا ہے۔ جس کا نام آپ کے مبارک نام پر ہوتا ہے اس کو بدل دیتے ہیں۔''

حضرت مجدد کی یہ تحریر دسویں صدی کے اواخر کی ہے جبکہ اکبر اس منحوس جماعت کی سرپرستی کر رہا تھا اور اس نے مختلف مذاہب کے ان افراد کو عبادت خانے میں جمع کیا تھا، جنھوں نے اکبر کو خلیفۃ الزماں، انسان کامل اور مظاہر حق کا مظہر اتم قرار دے کر معبودیت کے دائرہ میں شامل کیا تھا۔ اس کے لیے سجدہ تجویز کیا تھا اور رسالت محمدی اور شریعت مبارکہ کا برملا تمسخر اُڑایا جا رہا تھا۔

ارشادات عالیہ:

- فرائض کے مقابل نوافل کا کچھ اعتبار نہیں۔ فرائض میں سے ایک فرض کا ایک ہی وقت میں ادا کرنا ہزار سال کے نوافل کے ادا کرنے سے بہتر ہے۔ اگرچہ خالص نیت سے ادا ہوں اور خواہ کوئی نوافل ہوں نماز و زکوٰۃ، روزہ، ذکر وفکر اور ان کے مثل۔
- مکلّفین کے لیے پہلی ضروری بات یہ ہے کہ وہ اپنے عقیدوں کو علمائے اہلِ سنت وجماعت کی رایوں کے موافق درست کر لیں۔ کیونکہ نجات اخروی ان بزگواروں کی صواب نما رایوں کی پیروی سے وابستہ ہے اور فرقۂ ناجیہ یہی بزرگوار اور ان کے پیرو ہیں۔
- موت کے آنے سے پہلے اپنے کام کرنا چاہیے۔ اور یا شوق کہتے ہوئے مرنا چاہیے۔ **اوّل** اعتقاد کی درستی سے چارہ نہیں اور جو کچھ بطریق ضرورت و تواتر دین سے معلوم ہے اس کی تصدیق ضروری ہے۔ **دوم** جاننا اور عمل کرنا اس پر جو علم فقہ سے متعلق ہے ضروری ہے۔ **سوم** سلوک طریق صوفیہ بھی درکار ہے نہ اس لیے کہ غیبی صورتوں اور شکلوں کا مشاہدہ کریں اور انوار ورنگ کو دیکھیں۔
- صوفیوں کے اعتقادات آخر کار یعنی منازل سلوک کے پورا ہونے اور ولایت کے درجوں کی نہایت کو پہنچنے کے بعد وہی ہیں جو علمائے اہلِ حق کے ہیں۔ فرق اتنا ہے کہ علما کو نقل یا استدلال سے حاصل ہوئے ہیں۔ اور صوفیوں کو کشف یا الہام سے۔
- منازل سلوک کے قطع کرنے سے مراد مقامات عشرہ کا طے کرنا ہے۔ اور مقامات عشرہ کا طے کرنا، تجلیات ثلثہ سے وابستہ ہے۔ یعنی تجلّیِ افعال، تجلّیِ صفات اور تجلّیِ ذات، ان مقامات میں سے سوائے مقام رضا کے سب تجلّیِ افعال وتجلّیِ صفات سے وابستہ ہیں۔
- طالب کو چاہیے کہ اپنے دل کی توجہ تمام طرفوں سے پھیر کر اپنے پیر کی طرف کرے۔ مرید ایسی جگہ نہ کھڑا ہو کہ اس کا سایہ پیر کے کپڑے یا پیر کے سایہ پر پڑے۔ اور پیر کے مصلی پر پاؤں نہ رکھے۔ اور اس کے وضو کی جگہ میں وضو نہ کرے۔ اور ان کے برتنوں کو استعمال نہ کرے اور اس کے سامنے پانی نہ پئے اور کھانا نہ کھائے۔
- ذکر سے مراد غفلت کا دور کرنا ہے جس طرح ہو سکے نہ یہ کہ ذکر کلمہ نفی و اثبات کی تکرار یا اسم ذات کے تکرار میں منحصر ہے۔ (تذکرہ مشائخ نقشبندیہ، ص334 تا246)

(تلخیص از تذکرہ مشائخ عظام، مطبوعہ المجمع الاسلامی، مبارکپور)

خانقاہ معظم بہار شریف میں بین الاقوامی سیمینار کا کامیاب انعقاد

شعبۂ نشر و اشاعت خانقاہِ معظم بہار شریف

چودھویں صدی عیسوی/آٹھویں صدی ہجری کے عظیم ترین صوفئ باصفا مخدوم جہاں شیخ شرف الدین احمد یحییٰ منیری پر سہ روزہ بین الاقوامی سیمینار حسب پروگرام 22 نومبر 2011ء کو ان کی خانقاہ معظم بہار شریف ضلع نالندہ بہار میں انعقاد پذیر ہوا۔ اس عظیم الشان سیمینار کا آغاز ایک شاندار تاریخی افتتاحی تقریب سے ہوا جس کی صدارت حضرت مخدوم جہاں کی خانقاہ معظم کے موجودہ سجادہ نشیں حضرت جناب حضور مولانا سید شاہ محمد سیف الدین صاحب فردوسی نے فرمائی۔ 11 بجے دن میں اس افتتاحی تقریب میں مرکزی وزیز برائے جدید و قابل تجدید توانائی جناب فاروق عبداللہ و مرکزی وزیر برائے سیاحت جناب سید سلطان احمد کے علاوہ جمہوریہ ایران کے سفیر برائے ہند جناب سید مہدی نبی زادہ، مشہور ایرانی محقق ڈاکٹر کریم نجفی، کلچرل کونسلر جمہوریہ، ایران نے بطور مہمانانِ خصوصی شرکت فرمائی اور عالی جناب وزیر اعلیٰ بہار نتیش کمار نے سیمینار کا افتتاح فرمایا۔ سیمینار کے افتتاح سے پہلے انھوں نے مخدوم جہاں ایجوکیشنل اینڈ ویلفیئر ٹرسٹ کی جانب سے پاواپوری، نالندہ میں قائم ہونے والے مخدوم جہاں ایجوکیشنل کمپلیکس کا سنگ بنیاد خانقاہ معظم، بہار شریف میں رکھا جس کے تحت کئی اسکول اور مختلف الاقسام کالج کے قیام کا نشانہ ہے۔

22 ر نومبر 2011ء کو 11 بجے دن میں خانقاہ معظم میں سیمینار کا افتتاح حافظ سید شاہ حسام الدین احمد فردوسی (صاحبِ سجادہ خانقاہ معظم کے بڑے صاحبزادے) کی تلاوت کلام پاک سے ہوا۔ سید شاہ شرف الدین (صاحبِ سجادہ خانقاہ معظم کے منجھلے صاحبزادے) نے تلاوت کردہ آیاتِ کلام مجید کا انگریزی ترجمہ پیش فرمایا۔ اس کے بعد پھر ایک بار حافظ حسام الدین فردوسی مائک پر نعت پاک کے ساتھ تشریف لائے۔ نعت کے بعد سیمینار کی استقبالیہ کمیٹی کے چیرمین جناب نوشاد احمد (چیرمین بہار اقلیتی کمیشن) نے تمام مہمانوں کا استقبال فرمایا بعدہ سیمینار کے کنوینر حضرت سید شاہ شمیم الدین احمد منعمی (سجادہ نشیں خانقاہ منعمیہ، متین گھاٹ، پٹنہ سیٹی و صدر شعبۂ عربی اورینٹل کالج، پٹنہ سیٹی) نے سیمینار کے غرض و غایت کی وضاحت فرماتے ہوئے حضرت مخدوم جہاں کی حیات و خدمات پر ایک اجمالی روشنی ڈالی۔ ان کے بعد مہمانِ خصوصی مرکزی وزیر جناب سلطان احمد نے حاضرین سے مخاطب ہو کر مسلمانوں کی تعلیمی ترقی کو ان کے جملہ مسائل کا حل بتایا اور مخدوم جہاں ایجوکیشنل کمپلیکس جس کا سنگ بنیاد جلسۂ افتتاح سے پہلے وزیر اعلیٰ بہار نے رکھا تھا اسے ایک مثبت ضروری اور مفید قدم بتایا اور اس کے لیے ہر ممکن تعاون کا یقین دلایا۔ ویز ر موصوف کے بعد مرکزی وزیر اور سابق وزیر اعلیٰ جموں و کشمیر جناب فاروق عبداللہ نے افتتاحیہ جلسہ کو خطاب فرماتے ہوئے ملت اسلامیہ کو احتساب کی دعوت دی۔ شاندار ماضی کی طرف توجہ دلائی اور حال کی بدحالی بتاتے ہوئے مستقبل کو بہتر بنانے کے لئے دردانگیز مشورے دیئے۔ اپنی بہار شریف کی حاضری کو سعادت قرار دیتے ہوئے حضرت مخدوم جہاں سے کشمیر کے رشتے پر روشنی ڈالی۔ انھوں نے فرمایا کہ کشمیریوں کے مقبول ترین بزرگ امیر کبیر حضرت میر سید علی ہمدانی نے بھی حضرت مخدوم جہاں سے استفادہ فرمایا تھا۔ انھوں نے بہار کی بدلتی ہوئی تصویر کے حوالے سے وزیر اعلیٰ جناب نتیش کمار کی واضح لفظوں میں ستائش فرمائی۔

مقرر موصوف کے بعد جمہوریہ اسلامیہ ایران کے کلچرل کونسلر کریم نجفی نے اظہارِ خیال فرمایا۔ اپنی انگریزی تقریر میں انھوں نے صوفیائے کرام اور خاص طور پر حضرت مخدوم جہاں کی خدمات کو سراہا اور ان کی فارسی نثر کی عظمت کو تسلیم کیا۔ ان کے بعد سفیر ایران عالی جناب سید مہدی نبی زادہ نے فارسی زبان میں خطاب فرمایا جس کا ترجمہ کنوینر سیمینار حضرت سید شاہ شمیم الدین احمد منعمی ساتھ ساتھ اردو میں کرتے گئے۔ انھوں نے صدیوں پرانے خوشگوار ہند ایرانی رشتے کا ذکر کیا اور صوفیائے کرام کے ذریعہ فارسی زبان میں تصنیف و تالیف اور اس کے اثرات کا ذکر فرمایا۔ حضرت مخدوم جہاں پر ہونے والے اس سیمینار کو کامیاب فرمایا۔ انھوں نے وزیر اعلیٰ بہار اور صاحب سجادہ خانقاہ معظم کی خدمت میں قیمتی ایرانی تحائف بھی پیش کیے اور آئندہ دونوں ملکوں اور خاص طور پر بہار اور ایران کے درمیان خوشگوار اور دیرینہ تعلقات کی امید جتائی۔ ان تقاریر کے بعد ایران کلچر ہاؤس کے ذریعہ پہلی بار شائع کی گئیں دو قیمتی کتابیں 'شرح آداب المریدین' (جز اول) اور 'مناقب الاصفیا' کے فارسی قدیم ترین خطی نسخوں کے عکسی ایڈیشن کی وزیر اعلیٰ بہار اور دوسرے مہمانان نے رونمائی فرمائی۔ اس کے بعد خانقاہ معظم بہار شریف کے ذریعہ بہار اردو اکادمی کے مالی تعاون سے شائع کی گئی 'معدن المعانی' (اردو ترجمہ) کی رونمائی ہوئی اور اس موقع پر خانقاہ معظم کے ترجمان سہ ماہی انوارِ مخدوم کے خصوصی شمارے کا بھی اجرا عمل میں آیا جس میں اس سیمینار کے قبل از سیمینار موصولہ مقالات شائع ہوئے ہیں۔

ان سب کے بعد وزیر اعلیٰ بہار جناب نتیش کمار نے اس سیمینار کا باضابطہ افتتاح کرتے ہوئے فرمایا کہ مخدوم جہاں کی تعلیمات اور پیغامات پر چل کر ہی ریاست اور ملک میں فرقہ وارانہ خیر سگالی، محبت اور بھائی چارے کا ماحول برقرار رکھا جا سکتا ہے۔ انھوں نے بہار میں تاریخی اہمیت کے حامل مذہبی مقامات کی عظمتِ رفتہ کو ہر قیمت پر بحال کیے جانے کا عہد کیا۔ انھوں نے مخدوم جہاں کی عظمت کے نتیجے میں شاہانِ زمانہ کی حاضری کی طرف توجہ دلائی اور مخدوم جہاں

کے ذریعہ آج سے 700 سال قبل فاصلاتی نظامِ تعلیم کا کامیاب نمونہ پیش کرنے پر توجہ مبذول کرائی۔ انھوں نے بہت کم مدت میں سیمینار کے شاندار انعقاد کو مخدوم صاحب کی کرامت بتایا۔

بعدہٗ اپنے صدارتی کلمات میں مخدوم جہاں کے موجودہ سجادہ نشیں حضرت مولانا سید شاہ محمد سیف الدین فردوسی نے خانقاہ معظم کے علمی، روحانی اور سماجی منصوبوں کا ذکر کیا اور ان کی کامیابی کے لیے دعاؤں کی درخواست کی۔ افتتاحی اجلاس کا خاتمہ ریاستی وزیر برائے اقلیتی فلاح جناب شاہد علی خاں صاحب کے ہدیۂ تشکر پر ہوا۔ اس موقع پر حضرت مخدوم جہاں کی فارسی نگارشات کو اردو جامہ پہنانے والی گراں قدر شخصیت حضرت مولانا علی ارشد صاحب شرفی کو بھی سند و شال وغیرہ سے نوازا گیا۔ عالی جناب نتیش کمار وزیر اعلیٰ بہار نے افتتاحی جلسہ کے بعد جناب حضور شاہ امین احمد لائبریری اور مرکز تحقیقات وتصنیفات مخدوم جہاں کی نئی شاندار عمارت کا افتتاح کیا، جس کی تکمیل اور زیبائش صوفی سرکٹ پروگرام کے تحت حکومت بہار کے محکمہ سیاحت نے کرائی ہے۔

افتتاحی اجلاس کے بعد 3 بجے سہ پہر میں سیمینار کا پہلا علمی اجلاس ہوا اور 24/نومبر تک اس سیمینار کے کل چھ علمی اجلاس انجام پائے جن کی بالترتیب صدارت پروفیسر انیس الزماں (سابق وائس چانسلر اسلامک یونیورسٹی، چاٹگام بنگلہ دیش و استاد شعبۂ فلسفہ ڈھاکہ یونیورسٹی)، پروفیسر عبدالباری (سابق صدر شعبۂ عربی، مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ)، پروفیسر محسن عثمانی (استاد شعبۂ عربی، افلو حیدرآباد)، مفتی محمد مطیع الرحمٰن صاحب رضوی، پروفیسر شریف حسین قاسمی (دہلی یونیورسٹی) اور پروفیسر کوثر مصطفیٰ (استاد شعبۂ فلسفہ ڈھاکہ یونیورسٹی، بنگلہ دیش) نے فرمائی۔ ان اجلاسوں میں ملکی دانشوروں کے علاوہ بنگلہ دیش، ایران، نیپال، آسٹریلیا، بحرین اور امریکہ سے آئے ہوئے مندوبین نے شرکت فرمائی۔ ہندوستان کی تمام مشہور اور بڑی یونیورسٹی کے شعبۂ فارسی، عربی، اسلامیات، فلسفہ اور تاریخ کے اساتذہ و ریسرچ اسکالرس اور محققین نے شرکت فرمائی۔ اس موقع پر علوم شرقیہ کی دانش گاہوں کے ماہرین بھی اپنے مقالات کے ساتھ تشریف لائے اور حصہ لیا۔

24 نومبر 2011ء کو دوسرے اجلاس میں بہار اردو اکادمی کے مالی تعاون سے مکتبہ شرف خانقاہ معظم بہار شریف کے ذریعہ شائع کردہ 'شرح آداب المریدین' (جلد اول، اردو ترجمہ) کی رونمائی ضلع نالندہ کے ڈی ایم جناب سنجے کمار اگروال اور بہار اردو اکادمی کے سکریٹری جناب منصور احمد اعجازی (سکریٹری محکمہ اقلیتی فلاح، حکومت بہار) نے فرمائی۔ اسی موقع پر ڈاکٹر حفیظ الرحمٰن کی کتاب 'تصوف اور حضرت مخدوم شرف الدین یحییٰ منیری' کی رونمائی بھی عمل میں آئی۔

اس بین الاقوامی سیمینار میں حضرت مخدوم جہاں کی حیات و خدمات کے مختلف گوشوں اور زاویوں پر تقریباً 80 مقالے پیش کیے گئے اور تقریباً بیس مقالے ان کے علاوہ بذریعہ ڈاک وای میل موصول ہوئے جن کے مقالے نگار کسی مجبوری کے تحت تشریف نہ لا سکے۔ ان اہم مقالہ نگاروں میں کرسی صدارت کو زینت بخشنے والوں کے علاوہ پروفیسر شمس الضحیٰ (وائس چانسلر مولانا مظہر الحق عربی فارسی یونیورسٹی)، پروفیسر منال شاہ القادری، ڈاکٹر علی رضا قزوہ (ایران)، پروفیسر غلام یحییٰ انجم (جامعہ ہمدرد، نئی دہلی)، پروفیسر طلحہ رضوی برق (ویزیٹنگ پروفیسر، دہلی یونیورسٹی)، پروفیسر عراق رضا زیدی (جامعہ ملیہ اسلامیہ، دہلی)، ڈاکٹر عبدالعلیم، ڈاکٹر کلیم اصغر (جامعہ ملیہ اسلامیہ)، ڈاکٹر زین العبا (لکھنؤ یونیورسٹی)، ڈاکٹر مہ جبیں اختر (عثمانیہ یونیورسٹی، حیدرآباد)، مولانا یٰسین اختر مصباحی، ڈاکٹر نور عالم (افلو حیدرآباد)، صوفیہ ریان (آسٹریلیا)، ماریا ریان (آسٹریلیا)، ڈاکٹر منظر اعجاز (مگدھ یونیورسٹی)، مولانا شاہ محمد عالم نعیمی (دارالعلوم نعیمیہ، چاٹگام)، ڈاکٹر عبدالسلام جیلانی (علی گڑھ)، ڈاکٹر محمد منصور عالم (جنرل سکریٹری، ایران سوسائٹی، بنگال)، ڈاکٹر عارف ایوبی (لکھنؤ یونیورسٹی)، ڈاکٹر واصف احمد (شانتی نکیتن، بنگال)، حسن اجتبیٰ (دہلی یونیورسٹی)، ڈاکٹر مظفر عالم (افلو، حیدرآباد)، پروفیسر لیاقت معینی (اے ایم یو، علی گڑھ)، ڈاکٹر سید مرہون الارشاد قادری (بنگال)، سید محمد اقبال شاہ قادری (بنگال)، پروفیسر ایس کے جبیں (پرووائس چانسلر مولانا مظہر الحق عربی وفارسی یونیوسٹی)، ڈاکٹر سیدہ شارقۃ المولیٰ القادری (بنگال)، ڈاکٹر جاوید عالم (جامعہ ملیہ اسلامیہ، دہلی)، مولانا محمد عیسیٰ برکاتی (دارالعلوم نوری، نیپال)، ڈاکٹر نوشاد عالم چشتی (علی گڑھ)، ڈاکٹر مسعود کاظمی (پٹنہ یونیورسٹی)، ڈاکٹر عابد حسین (پٹنہ یونیورسٹی)، ڈاکٹر اشرف بہاری (جمشید پور)، ڈاکٹر عقیل احمد (جمشید پور)، ڈاکٹر موصوف احمد (دھنباد)، ڈاکٹر منظر حسین (رانچی یونیورسٹی)، ڈاکٹر احسن الظفر (لکھنؤ یونیورسٹی)، ڈاکٹر سید حسن عباس (بی ایچ یو)، ڈاکٹر محمد حسین وفا جونپور، ڈاکٹر رضی الرحمٰن (گورکھپور یونیورسٹی)، ڈاکٹر عشرت علی ملا (کلکتہ یونیورسٹی)، مولانا ابوالکلام قاسمی (مدرسہ شمس الہدیٰ، پٹنہ)، سردار لکھونڈر سنگھ (کشمیر یونیورسٹی)، ظفر الدین برکاتی (ہمدرد یونیورسٹی)، محمد ارشاد عالم نعمانی (معاون مدیر 'ماہ نور' دہلی) اور دیگر مقالہ نگار حضرات نے شرکت فرمائی اور مقالات پیش فرمائے اور بحث میں حصہ لیا۔

24/نومبر کی شام کو اس تاریخی سیمینار کی اختتامی نشست میں حضرت مولانا سید شاہ سیف الدین فردوسی مدظلہ اور جناب منصور اعجازی (سکریٹری بہار اردو اکادمی، پٹنہ) نے تمام معاونین مہمانان اور شرکا کا شکریہ ادا کیا پھر صلوٰۃ وسلام و دعا پر یہ نورانی مجلس تمام ہوئی۔

اس موقع پر ہندوستان کی مختلف خانقاہوں کے سجادہ نشیں علماء ومشائخ اور شہر اور بیرون شہر کے خواص و عام نے بڑی تعداد میں حصہ لیا۔ اس تاریخی سیمینار کو ایران کلچرل ہاؤس کے النور مائکروفلمس سینٹر کی جانب سے لگائے گئے فن خطاطی کے نادر نمونے کی نمائش نے مزید یادگار بنا دیا۔ اس نمائش میں قرآن کریم کے جلی وخفی کلاں وخورد نسخوں نے لوگوں کا دل عقیدت ومحبت سے بھر دیا۔ □□

اہم خبریں

سرزمین دھاوا شریف میں شہادت امام حسین کانفرنس کا کامیاب انعقاد

2 دسمبر 2011ء مطابق 6 محرم الحرام 1423ء کو حضور شمس العلما شیخ طریقت مفتی اعظم برطانیہ کی زیر سرپرستی اور قائد تحریک علم صاحبزادہ سید ظفر اقبال اشرفی، چیئرمین شمس العلما فاؤنڈیشن کی زیر قیادت سرزمین دھاوا شریف میں ایک روزہ شہادت امام حسین کانفرنس انتہائی کامیابی کے ساتھ اپنے اختتام کو پہنچی۔ اس کانفرنس کا آغاز رات 8 بجے قاری افروز احمد صاحب کی تلاوت قرآن پاک سے ہوا۔

مقرر خصوصی نبیرۂ حضور محدث اعظم حضرت علامہ سید محمد مکی راشد اشرفی جیلانی تھے۔ مقرر خصوصی نے اپنے خطاب میں ارشادِ رسول کی روشنی میں کہا کہ حق علی کے ساتھ اور علی حق کے ساتھ ہیں۔ امام حسین کا ہاتھ تمام انبیاء کرام کے دست اقدس کا وارث ہے، کربلا صرف ایک جنگ نہیں بلکہ ایک نظریہ کا نام ہے۔

مہمان مقرر علامہ سید محمد اسلم واثقی چشتی بریلی شریف نے اپنے خطاب میں کہا کہ محبتِ حسین ہی محبتِ رسول ہے اور ذیل کے اشعار سے سامعین کے قلوب منور کیے:

تاریخ کربلا کے مضامین اے نشاط
شبیری اور یزیدی کی پہچان کر گئے

جگر گوشۂ شہباز عالم حضرت علامہ سید محمد مسرور رازی بھاگلپوری نے اپنے خطاب میں سیرتِ مصطفیٰ کو معیارِ حق بتاتے ہوئے ثابت کیا کہ سیرتِ امام حسین سیرتِ رسول اکرم کا آئینہ ہے۔ مولانا نور عالم بنارسی نے اپنے خطاب میں نوجوانان اسلام کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ جو لوگ امام حسین کو خوش رکھنا چاہتے ہیں وہ اپنے والدین کے ساتھ حسن سلوک کریں۔ ڈاکٹر نوشاد عالم چشتی علی گڑھ نے ارشاد فرمایا کہ میدان کربلا کا پیغام خدائے واحد پر یقینِ کامل اور اس کی مرضی پر استقامت ہے اور ذبیح اعظم کا فدیہ امام حسین ہیں۔

قائد تحریک علم نے اپنے خطبۂ استقبالیہ میں ارشاد فرمایا کہ اگر دنیا کردارِ حسین کو اپنا لے تو دنیا سے دہشت گرد اور دہشت گردی دونوں ختم ہو سکتے ہیں، اسی کے ساتھ انھوں نے کانفرنس میں شامل تمام علما و مشائخ اور شعرا کے ساتھ دور دراز سے آئے تمام حاضرین کا شکریہ ادا کیا۔ پروگرام کی نظامت نقیب اہلِ سنت مولانا آصف رضا سیفی نے بحسن وخوبی نبھایا۔ پروگرام میں شامل شعرا نے بھی سامعین کو بہت محظوظ کیا۔

کلیم دانش کانپوری نے کہا:

جنگ کا نقشہ بدل دیتے ہیں جنابِ قاسم
مل گیا ہوتا اگر ان کو ذرا سا پانی

آصف رضا سیفی نے دورانِ نظامت یہ شعر پڑھ کر عوام کا دل لوٹ لیا:

رُلانے آتی ہے یادِ حسین روز مجھے
میں وہ نہیں جو محرم کا انتظار کروں

اشرف اشعرا سید خالد انور نے بھی اپنے کلام سے سامعین کو نوازا۔ فرخ آباد سے تشریف لائے ہوئے معروف شاعر شکیل عارفی نے کہا:

اصغر کے سوکھے ہونٹوں پہ حسن تبسم کہتا ہے
نہر پہ قبضہ کرنے والے چشمۂ کوثر بھول گئے

سامعین نے انھیں کئی بار سننے کی فرمائش کی۔ اس کانفرنس میں جناب دلشاد بکسروی، رضوان واثقی، مولانا محمد اسلم مصباحی، مولانا جنید اشرف قادری، مولانا حیدر علی اور جناب سید عبرت اللہ کے علاوہ دیگر حضرات نے بھی شرکت فرمائی۔ کانفرنس میں دور دراز سے عوام نے شرکت فرمائی اور محفل کے اختتام تک لوگ موجود رہے۔ کانفرنس کا اختتام حضرت صوفی سید عبید الرحمٰن کی دعا پر ہوا۔ یہ کانفرنس شمس العلماء فاؤنڈیشن کے زیر اہتمام شمس کیمپس آستانۂ عالیہ دھاوا شریف میں منعقد کیا گیا۔ (رپورٹ: سید محمد اجمل)

کلکتہ میں علامہ فضل حق خیر آبادی کنونشن

مجاہد آزادی علامہ فضل حق خیر آبادی علیہ الرحمہ کے 150ویں وصال کے موقع پر امام احمد رضا سوسائٹی کلکتہ کی جانب سے 'علامہ فضل حق خیر آبادی کنونشن' مٹیا برج کلکتہ میں زیر سرپرستی حضرت سید شاہ شاہد حسین زیدی (مارہرہ شریف) دو سیشنوں پر مشتمل منعقد ہوا۔ پہلا سیشن بعد نماز مغرب مولانا محمد قاسم علوی (سکریٹری جنرل مجلس علما اسلام مغربی بنگال) شروع ہوا، جس میں جناب فرہاد حکیم بابی (وزیر شہری ترقیاتی حکومت مغربی بنگال)، محمد اقبال (چیئرمین کولکاتا کارپوریشن)، سبرتو بخشی (ایم، پی)، میگناتھ (ٹی ایم سی)، معین الدین شمس (فارورڈ بلاک)، نعمت علی خان (کانگریس) محمد سلیم خان (سی پی آئی ایم) و دیگر اربابِ سیاسیات وسماجیات نے شرکت کی۔ وزیر موصوف نے اپنی مختصر تقریر میں کہا کہ مولانا فضل حق خیر آبادی صاحب نے تحریک آزادی کے لیے تن من دھن کی قربانی پیش کر کے حب الوطنی کا جس قدر ثبوت دیا ہے تاریخ انھیں

باقی صفحہ 48 پر